14

2010
69
1941

1431
1362
69

دل کی دنیا میں آفتابِ سحر
سینوں کے چاک سے نکلتا ہے
(طلوعِ سحر)

ستارۂ مشرقِ نو

سنہ ۱۳۶۲ھ

طلوعِ سحر

تجلّیِ حیات و بیداری

گویا جہان آبادی

انتساب بذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

(۱)

باسمِ پاک جمیل و بذاتِ شانِ جلیل
سرورِ سینۂ مسلم، رسولِ ہر دو سرا

وہ جس کا نور رہا ہر اُمتی کے سینہ میں
وہ آفتاب دو عالم وہ ماہِ عرشِ ہُدیٰ

عجب نہیں ہے کہ ذرّہ نواز چشمِ کریم
قبول کرلے براہِ کرم یہ "نذرِ گدا"

یہ دل شکستہ مسلماں کے چند آنسو ہیں
بجز حضور کے ہے کون قدرداں ان کا

بڑی اُمید سے اے تاجورِ مدینے کے
ہوا ہے حاضرِ سرکار بے نوا گویا

عنواناتِ طلوعِ سحر

قطعہ دعائیہ

۱۹ ستمبر ۱۹۴۳ء

الٰہی تیرے کرم سے یہ مشتِ ذرّہ ہے
بنیں یہ شمعِ انوار نگاہوں سے قوم حصہ دار
حجاب اُٹھائے شبِ تیرہ کا یہ طلوعِ
ہو برقِ ظلمت شکن

شعریا۔ جہان آبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمالِ آغاز

(۲)

ہر اشک صدہا سحر کے ستارے پُر امید رحمت ہیں دل کے نظارے
طلوعِ سحر ہی مرقع اُنھیں کا وہ موجیں کہ روشن ہوں جن سے کنارے
نظر آ رہی ہے تجلّی ساحل ہیں آئینے خورشید کے، ماہ پارے
کرم کی کوئی انتہا ہی نہ پاکر نظر کی حدوں میں نہیں ہیں نظارے

نثارِ درِ رحمتِ عالمیاں
الٰہی ہوں مقبول آنسو ہمارے

ان اشکوں سے روشن ہوں اللہ سینے رواں سوئے ساحل ہوں دل کے سفینے
یہی ہے فقط مدعائے نگارش نگیں ہوں دلوں کے یہ دل کے نگینے
طلوعِ سحر کے یہ اوراق الٰہی نظر آئیں سینوں میں دل کے سفینے
وہ جوہر نمایاں ہوں ان سے دلوں میں نظر آئیں دل جوہروں کے نگینے

وہ گوہر عطا کر دے ان آنسوؤں کو
جھلک اُٹھیں جن سے نگاہوں کے سینے

الٰہی مرے درد سے دل بنا دے مرے سوز کو شمعِ منزل بنا دے
نظر آئے پایاب اک اک تلاطم سفینوں کو ہمراز ساحل بنا دے
خدایا وہ ذوقِ طلب چاہتا ہوں جو آسان ہر راہِ مشکل بنا دے
وہ ہمت عطا کر جوانوں کو پھر سے جوانوں کو جو مستقل دل بنا دے

چلیں سر کے بل تیرے رستے میں یارب
ہمیں راہ کے اہل و قابل بنا دے

ابوابِ طلوعِ سحر

"حاصلِ ابواب"

(۲)

دیتے ہیں سحر کے آنسو یہ پیغامِ حیاتِ انسانی

توحیدِ دلوں کی منزل ہے اور راہِ منزل قربانی

اے قافلے والو اٹھ بیٹھو، لو آنکھیں کھولو صبح ہے اب

منزل سے غفلت ہے بےخبری، گم راہی ہے حدِ نادانی

قربانی، اصلِ محبت ہے، قربانی، عشق کی فطرت ہے

قربانی، راہِ حقیقت ہے، قربانی، حکمِ قرآنی

قربان ہی ہو ہو کر ذرّے، بنتے ہیں مہ و خورشید یہاں

قربانی سے ہیں قومیں زندہ، قربانی سے ہیں دل لافانی

باب اوّل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(۳)

لَا اِلٰہ کے بعد، اِلَّا اللّٰہ　　بعدِ قربانی ہے اُمیدِ نگاہ
راستہ یہ ہی اور وہ منزل　　باخبر باش مردِ حق آگاہ
یہی نکتہ یہاں بُھلا کے دل　　نظر آتے ہیں مثلِ گردِ راہ
راہِ توحید ہی یہاں عملی　　جانچے جاتے ہیں نقطہائے نگاہ
دیکھ قربانیٔ عظیمِ حسین　　کیے قربان کتنے مہر و ماہ

یہ ہے ایمان اور یہ اسلام
اور یہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

ذوالجلال والاکرام (۴۲)

بے مثل و بے نیاز و منزّہ و لا شریک
خلّاقِ کائناتِ دو عالم بلا شریک

بالائے عقل و فہم و قریبِ دلِ غریب
فرماں روائے عرش و حبیبِ دلِ غریب

بیرونِ ہر احاطۂ دارین و رازِ دل
ہر خستہ دل کے ساتھ بقدرِ نیازِ دل

ایسا جلیل جس کی جلالت میں گم جہاں
ایسا کریم جس کا کرم دامنِ اماں

عظمت میں کبریائی واحد کا تاجدار
رحمت میں ایک قلزمِ بے حدّ و بے کنار

حادث ہے کائناتِ دو عالم وہی قدیم
جس کا کوئی شریک نہ جس کا کوئی سہیم

تخلیق ہے اشارۂ اِکرام و التفات
کیا شے ہے اُس جناب میں ہستیٔ کائنات

لاکھوں نظامِ شمسی کروروں ہی آفتاب
بحرِ وجود میں ہیں رواں صورتِ حباب

شاہد ہیں کہکشاں کے ستارے، نگاہ کیے
بے گنتی آفتاب ہیں ذرّوں میں راہ کیے

اِک حرف ہے جہانِ فنا و بقا یہاں
تھرّا رہی ہے نا متناہی فضا یہاں

لب پر ہر اک ستارے کے مُہرِ جلال ہے
گویا یہاں زبان ہلانا محال ہے

خاموش اشک دامنِ رحمت کے ساتھ ہیں
دل محو ہو کے اپنی حقیقت کے ساتھ ہیں

اے ساری کائنات کے مالک خدا ہے تو
خاکِ شکستہ دل کا فقط آسرا ہے تو

یہ ہاتھ اُس کے سامنے پھیلا رہا ہوں میں
ربِّ کریم اپنا جسے پا رہا ہوں میں

جس بزم میں نہیں کوئی رحمت کی انتہا ذروں کو مل رہے ہیں جہاں ارض اور سما
خاموش سر بسجدہ وہیں اے جبیں نواز
تیری طرف کو دیکھ رہا ہے سرِ نیاز

(۵)

نہ جلوۂ سحری چاہیئے نہ حسنِ شبی کہ مہر و ماہ کی طالب نہیں حیات مری
شعاعِ روح پہ اے نور اک نگاہِ کرم تری طرف ہی نظر ہے، تجھی سے لو ہے لگی

موجِ سلسبیل

موج موجِ سلسبیل (۶) موجِ رحمتِ جلیل
باجمال و باجمیل بے قیاس و بے دلیل
محوِ ساحلِ کرم
نہرِ جنت و ارم
اشک اشک سوزِ نور عینِ ساغرِ طہور
آنکھ اور نظر سے دور محوِ جلوۂ حضور
بے خیال و بے گماں
باعیان و با نہاں

موج کی طرح رواں ہوئے ساحلِ جناں
محو ہوگیا جہاں پا گیا اُسے وہاں
دل میں جس کا نور ہے
آنکھ سے جو دُور ہے

رنگِ دلیل

(۷)

حقیر سایہ نہیں ہی دلیلِ پرتوِ نور ثبوتِ ہستیٔ سایہ ہی انعکاس ضرور
بتا رہی ہے یہی سایہ کی جبیں سائی حقیقت اپنی اُسے سجدوں میں نظر آئی
اگر نہ پردہ اُدھر سے اُٹھا ہوا ہوتا وجود سایہ کا معدوم اور فنا ہوتا
حضورِ نور میں اے بے بصر دلیل نہ ڈھونڈ ثبوت نور کا، ای دانش ذلیل نہ ڈھونڈ
حقیقت اپنی حجابات کو اُٹھا کے دیکھ
مثال سایہ کے سر کو ذرا جھکا کے دیکھ

تبصرہ

(۸)

بہت لطیف یہاں معنیٔ تکلّم ہیں نظر میں جلوۂ بے رنگ کے تلاطم ہیں

ستارے لاکھوں سرِ جلوۂ تبسّم ہیں　　کروروں آئینے امواجِ نور میں گم ہیں

تجلّیات کے دریا بہا رہا ہے کوئی　　حبابِ موج یہاں لاکھ ماہ و انجم ہیں

گذر چکی ہے ستاروں کی حد سے موجِ جمال　　کہ مہر و ماہ، سرِ جنبشِ تلاطم ہیں

مثالِ کرمکِ شبتاب کہکشاں کے نجوم　　شبیہِ دیدۂ ادراک و چشمِ مردم ہیں

سرک گیا تھا ذرا سا نقاب چہرے سے　　ازل سے ارض و سماوات آجتک گم ہیں

یہاں قیام کے معنی نہیں کچھ اس کے سوا　　کہ ہر قیام میں پوشیدہ معنیٔ قُم ہیں

اب اس سے آگے جہاں تک نظر پہونچ نہ سکے　　فضائیں اُس سے بھی آگے جمال میں گم ہیں

پتا بھی چلتا نہیں جا کے عقل کا آگے　　یہاں قیاس، فقط تا حدِ تفہّم ہیں

کہاں تجلّیٔ بے حد کہاں حجاب و نقاب　　نظر کے سامنے خود اُس کے ہی توہّم ہیں

نہیں ہے میکدۂ ساقیٔ ازل محدود　　ابھی فضاؤں میں سربند سیکڑوں خم ہیں

کُھلا ہوا ہے درِ میکدہ بہر جانب　　شعاعِ پرتوِ خورشید ہی توہم تم ہیں

سحر کو روز یہ کہتا ہے جلوۂ خورشید　　جو ذرّے آپکو پہچان لیں وہ انجم ہیں

یہ نقطہ دائرۂ عقل میں سما نہ سکا　　جو اس اپنی ہی منزل میں آکے تو گم ہیں

یہ رازِ عالمِ انوار و عشق کے اسرار　　نگاہِ موج ہیں جلوہ گہِ تلاطم ہیں

ہزار کیف تھا یہ چاند اس کے ایک ہیں سورج　　یہاں دلوں کیلئے اور ساغر و خم ہیں

ستارے گنتی سے باہر ہیں رہبرِ منزل
ہر اک ذرۂ عالم میں سو تبسّم ہیں

ہر سازِ روح میں جس کا ترنّم پنہاں
بہر سکوت، اُسی سوز کے ترنّم ہیں

کتابِ نور کی تفسیر جس میں لکھی گئی
اُسی زبان کے الفاظ، ماہ و انجم ہیں

نہ کیوں کہا یہ ستاروں سے اشک و شبنم نے
نظر ملاؤ ستارو! کہ ایک ہم تم ہیں

بہت کمی ہے ابھی ہم میں گو ہرِ دل کی
یہی سبب ہے کہ ہم گردِ راہ میں گم ہیں

وہی ہے شاعرِ فطرت دکھاوے جو گویا
بہر نگاہ کس انداز کے تکلّم ہیں

زمزمۂ راز

(۹)

سرورِ سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ
نگاہِ دیدِ جہاں لا الٰہ الا اللہ

برائے جہدِ بقا کارزارِ ہستی میں
بجائے تیغ سناں لا الٰہ الا اللہ

صنم کدوں میں نہیں کچھ بھی دیکھتا کیا ہے
سوائے وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ

حجاب اُٹھا کے ذرا دیکھ اپنی آنکھوں سے
کہاں ہیں کون و مکاں لا الٰہ الا اللہ

ہمارے پردۂ ہستی میں ہے عیاں گویا
عجیب سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ

(۱۰)

اے اشک قطرۂ شبنم سے خود گہر ہو جا
تو اپنے حسن سے نزدیک ہے نظر ہو جا
جھلک ہے کس کی ستاروں میں آنکھ اُٹھا کے دیکھ
ہے آفتاب ترا تجھ میں باخبر ہو جا

(۱۱)

نہیں خلق کو حاصل نگاہِ ابراہیم
اُلجھ کے رہ گئی خود اپنی ہی نگاہوں میں
یہ کائنات ہے کیا لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ
ہیں ایسے لاکھوں مناظر نظر کی راہوں میں

نمازِ اشراق

(۱۲)

عالمِ اشراق کی نماز میں ہے
سامنے بے نقاب ہے کوئی
ذرّہ ذرّہ ہے غرقِ نورِ حضور
روبرو آفتاب ہے کوئی

مقامِ بندگی

(۱۳)

مقامِ بندگی کی رفعتوں کا پوچھنا کیا ہے
نشاناتِ جبیں ہی سے سُراغِ عرش چلتا ہے
سرِ منزل نظر آتا ہے گویا صبح کا تارا
کوئی سجدہ جبینِ آدمی کا جاگ کے چمکا ہے

سجدہ

یہیں ملتے ہیں ساجد و مسجود (۱۴۲) نقطۂ اِتّصال ہے سجدہ
ماورائے سما و برسرِ خاک آپ اپنی مثال ہے سجدہ
سر نہیں جھکتا ہے بغیر یقین مانعِ احتمال ہے سجدہ
کہاں وہ آستاں کہاں یہ جبیں بندگی کا کمال ہے سجدہ
ہے یہی ابتدائے منزلِ قُرب سرِ بزمِ جمال ہے سجدہ
بندگی کا بمعنیٔ معراج انتہائی کمال ہے سجدہ
دورِ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی مرکزِ وجد و حال ہے سجدہ
اِس کی قیمت سرِ نیاز سے پوچھ دولتِ لازوال ہے سجدہ
درمیانی حجاب بھی اُٹھ جائے ذہنِ عرضِ حال ہے سجدہ
آنکھ دِل کی کھُلی یہاں آ کر چشمِ دیدِ جمال ہے سجدہ
گُم ہے کچھ اِس طرح سکوت کے ساتھ جیسے محوِ وصال ہے سجدہ
منکرِ قرب! کس خیال میں ہے؟ سوچ کس کا خیال ہے سجدہ

جو ہے مخصوصِ بندگی گویا
اُس کرم کا سوال ہے سجدہ

مسلکِ توحید

(۱۵)

میں نے پوچھا جو مسلکِ توحید شمعِ توحید نے کہا "تفرید"
غیر سے بے نیاز ہو جانا راز میں اِس کے راز ہو جانا

کہا میں نے کہ یہ خودی کیا ہے کہا اِک بے خودی کی ہی تمہید
خود شناسی، خدا شناسی ہے اِس کا انکار، ناشناسی ہے

پوچھا اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ؟ کہا، ابوابِ معرفت کی کلید
کھول کر دیکھ اِس سے دِل کے در نظر آئے گا ماوراءِ نظر

۱۵/۱

اہلِ توحید ہی نے بس جانا ایک کا ہو کے ایک ہو جانا
نفسی نفسی خلافِ فرماں ہے سُن مسلمان حق کا فرمانا

منزل

(۱۶)

اے مسلماں تو زندگی اپنی شیر بن کر، رہِ خدا میں ڈھونڈھ

صحنِ گلزار میں تلاش نہ کر منزلِ زیست، کربلا میں ڈھونڈھ
شرطِ ایماں دلِ حسینؑ سے پوچھ حق تو یہ ہے کہ حق نما میں ڈھونڈھ
خود سمجھ لے گا تو مقام اپنا آپکو اپنی ہی وفا میں ڈھونڈھ

اُمّتی اپنی منزلِ معراج
روشِ پاکِ مصطفیٰ میں ڈھونڈھ

اعترافِ حقیقت

(۱۷)

بات تو یہ ہے کوئی منکر بھی اپنا انکار آپ کر نہ سکا
یہ نہ سمجھا کہ کون ہے اپنا دل کسے مان کر مُکر نہ سکا

ثبوت

(۱۸)

خار مانگے اگر ثبوتِ بہار مُسکرانا کلی کا کافی ہے
بات کیا ہی دلیل و حجت کی دیکھ کیسا جوابِ شافی ہے

(۱۹)

لاکھ پروانے ہو چکے قربان مکھیاں کر رہی ہیں قیل و قال
سوزِ پروانہ دل میں پیدا کر یہ ہی راہِ مشاہداتِ جمال

بے خبری

(۲۰)

اِک گھاس کا تنکا دریا کی موجوں میں بہتا جاتا تھا
اور بہتے بہتے دریا کی موجوں سے کہتا جاتا تھا
سُنتے ہیں کوئی دریا ہے، کیا تم نے دریا دیکھا ہے؟
موجوں نے کہا، دیکھا تو نہیں البتہ سُنا تو ایسا ہے
خود دریا محوِ تبسّم تھا اِن باتوں پر نادانوں کی
تھا عین حقیقت آپ مگر نظروں میں نہ تھا دیوانوں کی

توحیدِ اجتماعی

(۲۱)

اے بے خبرِ معنئ شیرازۂ ہستی
توحید سے آباد ہے اِسلام کی بستی
ڈر ہے کہیں اِس بستی کو ویران نہ کر دے
ہر دِن کا ترا مشغلۂ فرقہ پرستی

(۲۲)

پوچھ بارش سے معنئ توحید
قطرے ہی آبشار بنتے ہیں
جب برستے ہیں مِل کے آپس میں
قلزمِ بے کنار بنتے ہیں

(۲۳)

گل جو شاخوں سے مل نہیں سکتے
کبھی دنیا میں کھِل نہیں سکتے
یہ ہیں گویا دلائلِ توحید
جگہ سے اپنی ہل نہیں سکتے

(۲۴)

پائیگا اختلاف نہ پروانوں میں کبھی لاریب اہلِ سوز میں ہوتی نہیں دوئی
سب ہو کے دِل سے ایک کے، ہوتے ہیں ایک دِل توحید اجتماعی کی تو شان ہے یہی

(۲۵)

اللہ اللہ اُس انجمن کی مثال لاکھوں پروانے، ایک شمعِ جمال
ایک کے ہو کے، ایک آپس میں دینِ توحید کا یہی ہے کمال

(۲۶)

ذرہ دِل جائیں پھر آپس میں تو پھر دِل ہو جائیں معنئ جلوۂ توحید کے حامل ہو جائیں
ہے ہماری ہی فقط نفس پرستی حائل دِل تو سینوں میں تڑپتے ہیں کہ ساحل ہو جائیں

علم

(۲۷)

اگرچہ وسعتِ کون و مکاں نہیں معلوم حقیر ذرّے کو حدِ جہاں نہیں معلوم
مگر وہاں ہی مرے سامنے خدا میرا جہاں کوئی مجھے اپنا نشاں نہیں معلوم
بس ایک قدرتِ بے پایاں دیکھتا ہوں میں مجھے کچھ اور مرے مہرباں نہیں معلوم
شعورِ ذات ہی علم و یقیں سے بالاتر تو پھر ضرورتِ وہم و گماں نہیں معلوم
رہینِ برقِ تجلّی مرا وجود و عدم سوائے اُس کے عیاں او نہاں نہیں معلوم

ہو جب بھی سجدہ ادا اور جہاں بھی ہو جائے
سرِ نیاز کو کب اور کہاں نہیں معلوم
خدا کا شکر کہ ہوں واقفِ جبیں سائی
نہیں یہ غم کہ رہِ آستاں نہیں معلوم
براہِ راست تعلق ہے درد و درماں میں
یہاں ضرورتِ شرح و بیاں نہیں معلوم
نہ جاننا ہی ہمارا ہے جاننا گویا
ہمارے علم کی حد ہے یہاں نہیں معلوم

سمجھنا اور سمجھانا

(۲۸)

بے صوت و صدا جو نغمے ہیں ہر ذرّۂ سازِ ہستی میں
راتوں کو سنائی دیتے ہیں وہ اکثر دل کی بستی میں
خاموش فضائیں ہوتی ہیں خود اُن نغموں سے گونجی ہوئی
انکار کیا کرتی ہیں عقلیں جن کا اپنی پستی میں

(۲۹)

وسعت ہے بقدرِ ظرفِ نظر، تو قطرہ بھی ہے دریا بھی
جس آنکھ سے دیکھے تو خود کو، تو مہر سما بھی ذرّہ بھی
محدود فضاؤں میں ناداں تو ڈھونڈ نہ رازِ ہستی کو
بے پایاں سمجھ کے دل کی فضا کھلتی ہے چشمِ نظارہ بھی

(۳۰)

ہوتی اگر سماوی کوئی تجھ میں آرزو | بن کر شفق اُچھلتا رگوں سے ترا لہو
اے دل تو اُس مقام سے واقف نہیں ابھی | آدم نے کی جہاں سے ستاروں سے گفتگو

(۳۱)

ارض و سما کا فرق ہے زاغ و عقاب میں | یہ محو ہے زمین میں، وہ آفتاب میں
انسان کو اُبھارتی ہے فطرتِ بلند | گردِ زمیں ہے خوار، جہانِ خراب میں

(۳۲)

طور اور عرش سے بہت اوپر | لکھ چکا ہے یہ خامۂ قدرت
لوحِ محفوظ میں بخطِ جلی | "آدمیت بلندئ فطرت"

(۳۳)

بے خبر! قائم ہے عالم کا نظام | بہر تدبیر و قیامِ آدمی
تو اگر ہے پست تو غفلت تری | ہے بہت اونچا مقامِ آدمی

(۳۴)

وہ روح جس کے خاک کے ذرّوں میں نور ہے | ہر ذرّہ جس کے فیضِ تجلّی سے طور ہے
لاریب اُسی کا ہے گہرِ شب چراغ، دل | منکر بہت ہی اصلِ حقیقت سے دور ہے

(۳۵)

پروانہ بن کے شمع تجھے طور پر بلائے
پیغامِ نور اپنی زباں سے تجھے سنائے
اے اہلِ شعورِ دل، نگسِ مبتذل نہ بن
دو پر یہ اس لئے ہیں افلاک تو چھائے

(۳۶)

شرمندۂ نسیم ہو دِل کی شگفتگی
توہینِ دِل کی اس سے زیادہ نہیں کوئی
اے ناشناس پھول تو دِل اُس چمن کا ہے
کھل جاتی ہے نگاہ سے جسکی کلی کلی

(۳۷)

حُسنِ مفہوم ہے اور لالہ و ریحاں الفاظ
تو ہے ذی فہم تو لفظوں سے گذر، بات سمجھ
صبح سے ہوتی ہے تصدیقِ نمودِ خورشید
سحرِ حُسن ہے، عالم کو علامات سمجھ
حُسن کو پردے سے ورنہ کوئی تخفیف نہیں
یہ بھی اک حُسن تعارف ہے کنایات سمجھ
دیکھتا کیا ہے زمانہ ورقِ سادہ نہیں
فہم رکھتا ہے تو مفہوم عبارات سمجھ
بات نظروں میں سمجھ لیتے ہیں اہلِ معنیٰ
شفق و صبح کے رنگین اشارات سمجھ
چشم و ابرو کے کنایوں سے اگر واقف ہو
آفتاب اور مہِ نو کے کنایات سمجھ
منظرِ کون و مکاں بزمِ معارف گویا
ذرہ ذرہ یہاں کہتا ہے مری بات سمجھ

سازوراز

(۳۸)

پردۂ ساز سے نکلا تھا بڑے راز کے ساتھ
دِل نے پہچان لیا نغمہ کو آواز کے ساتھ

اپنی منزل کا پتہ پوچھا تو آئی آواز
میری جانب کو چلا آ مری آواز کے ساتھ

یہ ہی وہ راہ جو اک آہ میں طے ہوتی ہے
ورنہ اِک عمر یوں ہی راہ میں طے ہوتی ہے

(۳۹)

آوازِ حقیقت پہچانو اے سازِ حقیقت کے پردو!
یہ کِس کی صدا ہی خود جس کو آواز تم اپنی سمجھے ہو

جب موج تلاشِ ساحل میں سر ساحل سے ٹکراتی ہے
تو اپنے دِل کے پردے میں پاتی ہے صوتِ ساحل کو

(۴۰)

خموش رات میں چاروں طرف وہ چھائی ہوئی
فضائے نامتناہی کی بیخودیٔ عمیق

عجیب سوز کے نغموں سے ہوتی ہے لبریز
اگر تو سننے سمجھنے کے جانتا ہو طریق

(۴۱)

کبھی سوتے میں یہ ہوا محسوس
نام لے کر کوئی پکارتا ہے

کُھلی تعبیر اِس کی ہے گویا
خود سفینوں کو وہ اُبھارتا ہے

(۴۲)

سحر کے تارے ہیں کس بزم نور کے نغمے
ہیں ان میں روشنیاں کس جمیل مجلس کی
جہانِ دل کو لئے جاتے ہیں کدھر آنسو
نظر کے سامنے آتی ہے انجمن کس کی؟

(۴۳)

تڑپ اُٹھتے ہیں قافلے والے
جہاں سُنتے ہیں نغمۂ منزل
غور سے سُن نوائے سازِ راز
ہمہ تن گوش بن، مجسّم دلؑ

کلمۂ لا الٰہ الا اللہ

ہے اذانِ تقرب منزل

تجلّیات

(۴۴)

جس سے سمجھ میں آ سکے خورشید کی زبان
کہنا پڑی ہمیں مہ و انجم کی داستان
گویا زبانِ حال سے کہتا ہے اشک اشک
میں بھی ہوں اس اک شعاعِ تجلّی کا ترجمان

(۴۵)

عالمِ سوز و ساز میں مہرِ کمال کون ہے
خلوتِ حُسن و ناز میں شمعِ جمال کون ہے؟
چشمِ خیال سے نہاں خلوتِ راز کس کی ہے
بزمِ جمال سے عیاں جلوتِ ناز کس کی ہے؟
پردۂ سوز و ساز میں کوئی تو خاص راز ہے
خلوتِ حسن و ناز سے کوئی جنوں نواز ہے

اشک فروغ پا گیا جلوۂ ماہتاب میں
چاند اُتر کے آگیا آئینۂ حباب میں

گریۂ کامیاب میں لگ گئے چار چاند اور
محفلِ آفتاب میں پائے ہزار چاند اور

گم ہے تمام انجمن جلوۂ بے نقاب میں
انجم و ماہ محو ہیں منزلِ آفتاب میں

دیدۂ تر! اُٹھا کے دیکھ اُٹھتی نہیں نظر یہاں
سایہ کا کام ہے فقط سجدۂ رہگذر یہاں

ہر رہِ آفتاب میں سایہ کا سر جھکا ہوا
چوم رہا ہے خاکِ در، عکسِ نظر جھکا ہوا

محوِ تجلّیات ہو جلوہ گہِ صفات میں
چاروں طرف ہیں آئینے محفلِ کائنات میں

خال و خدِ شبیہِ دوست ہیں نئے ہر نگاہ میں
رنگِ جمال ہے نیا، ہر نئی جلوہ گاہ میں

کرنوں میں آفتاب کی ہیں نئی رنگتیں بھری
برگِ گلاب میں ہیں سُرخ، شاخِ گلاب میں ہری

آنسوؤں میں مئے طہور، ساغرِ صبح میں سرور
میکدۂ جمالِ نور، گلکدۂ رہِ ظہور

موجِ جمال ہے نہاں، جلوہ بہ جلوہ تا بجاں
سینوں میں دل، دلوں میں جاں، ہر بہ ہر آئینہ عیاں

رفعِ حجاب کا خیال آپ ہی پردہ ساز ہے
ورنہ وہ حسنِ بے نیاز، پردے سے بے نیاز ہے

بابِ حریم راز ہو اور سرِ نیاز ہو
عالمِ جلوگی ہو اور دورِ نیاز و راز ہو

سر بسجود حشر تک کہتا رہے کوئی یہی
تیری طرح نہیں کوئی، تیرے سوا نہیں کوئی

(۴۶)

بزمِ شہود

(مثنوی صہبائے راز کا ایک ورق)

ساقی کے شہود کا ہے عالم
یا صبحِ وجود کا ہے عالم

کرنیں جو تھیں آفتاب میں گُم
نظروں میں بنی ہیں ماہ و انجم

فرمایا جدھر چمن، چمن تھا
ہر ذرّہ فضا کا انجمن تھا

خورشید لیے شعاعیں آئیں
ذرّوں میں خود آفتاب لائیں

نظروں کی تجلّیاں نظارہ
جلووں میں جمال آشکارا

بے پردہ جمال، میکدہ ہے
جلووں کے جلو میں آئینہ ہے

جلوے ہیں نقاب کو اُٹھائے
نظّارے حجاب کو اُٹھائے

آئینہ ہے سامنے نظر کے
خورشید ہے روبرو قمر کے

دنیائے جمال، در نظر تھی
اُٹھّی جو نگاہ، جلوہ گر تھی

آئینہ کہا تو آئینہ تھا
در پردہ جمال رونما تھا

نور اپنے سامنے جب آیا
نُور کو آئینہ بنایا

زینت کدہ تمام عالم
آراستگی، نظامِ عالم

تخلیقِ بہار ہو رہی تھی
مخلوق نثار ہو رہی تھی

جس سمت اُٹھی نگاہِ ساقی
جنت میں کمی رہی نہ باقی
اُٹھنے لگیں حسن کی گھٹائیں
چلنے لگیں خلد کی ہوائیں
ہونے لگی بارشِ تجلّی
عالم ہے نگارشِ تجلّی
لیکن وہ تجلیوں کا حاصل
یعنی وہ کائنات کا دِل
مقصودِ تجلّیاتِ لَو لاک
لولاکَ لَمَا خَلَقْتُ الاَ فلاک
وجہِ آرائشِ دو گیتی
رازِ زیبائشِ دو گیتی
خورشیدِ جہاں، مہِ مدینہ
شمعِ دو مکاں، سرورِ سینہ
ممتازِ لوائے حمد، احمد
محمود و حامد و محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آئے سحر جب اِس چمن میں
پڑ گئی جان انجمن میں
اب بزمِ جمال تھی، مکمّل
یعنی یکماں تھی مکمّل
یہ بزمِ شہودِ مصطفیٰ ہے
رحمت کا مکمّل آئینہ ہے
پروانے نثارِ شمعِ محفل
ذرّوں سے بنا دیئے گئے دِل
قطروں میں بہا دیئے سمندر
پیاسوں میں لٹا دیئے سمندر
خشکی میں چلا دیئے سفینے
ساحل سے ملا دیئے ہیں سینے
پردہ جو دلوں کے درمیاں تھا
اُٹھی جو نظر تو پھر کہاں تھا

دل اُٹھ کے بنے فلک کے تارے
بے پردہ جمال کے نظارے

معیارِ کمال انتہائی
معراجِ جمالِ مصطفائی

عالم میں جمال کی تجلّی
محشر میں کمال کی تجلّی

دنیا میں ظہور کا وسیلہ
عقبیٰ میں حضور کا وسیلہ

پھر آلِ حضورِ مصطفیٰ کا
محبوبِ حبیبِ کبریا کا

آئینۂ جمالِ اقدس
جن میں ہے عیاں کمالِ اقدس

رکھتے ہیں بہت کشادہ سینے
اُمت کی نجات کے سفینے

ہے وجہِ نجات الفت اُن کی
سرمایۂ دل، محبت اُن کی

جب نام حسین لب پر آیا
مانند حباب دِل بھر آیا

آنکھوں سے چوم کر لگایا
ارشادِ حضور یاد آیا

محبوب مرے یہ دو چمن ہیں
"دو پھول حسین اور حسن ہیں"

کوثر کے نگاہ میں گہر ہیں
دامن یہاں آنسوؤں سے تر ہیں

پیاسے نے پیا نہیں نہ پانی
اُمت کی وہ پیاس تھی بجھانی

کوثر کی طلب ہے نام جس کا
ہر دیدۂ تر ہی جام جس کا

قربانی شہید نے وہ کی ہے
اُمت کی جس سے زندگی ہے

ہے سامنے عالم شہادت شاہد ہی خود شہیدِ اُمت
اللہ درود جاوِدانی بر روحِ شہید غیر فانی
گویا یہ مطالب و معانی
اشکوں کے گہر ہیں آسمانی

حضور و نور

(۴۷)

جو پہنچا دِل حضور تک، ہلا نہ پھر وہ دُور تک یہاں سے لیکے طور تک، وہاں سے عرشِ نور تک
کوئی حجاب ہی نہیں شعاع و آفتاب میں پہونچ گیا جو نور تک، پہونچ گیا وہ دور تک

وحدت وجود و توحید

(۴۸)

وحدت اَمثال کا ہے میخانہ اور توحیدِ بے مثالی کا
کیفِ منصور کا ہے دَور اِس میں اُس میں ہے جذبہ بلالی کا
مئے وحدت میں، انعکاس کے رنگ
نورِ توحید، جلوۂ بے رنگ

منکرِ ساقی و صہبا

(۴۹)

ناشگفتہ تھا ابھی غنچۂ اسرارِ جہاں
رازِ سربستہ تھا یعنی دلِ گلزارِ جہاں
یک بیک غیب سے کھلتا ہی درِ میخانہ
اِک تماشا نظر آتا ہے سرِ میخانہ
پہلے تو کیف کا طوفان نظر آتا ہے
جب سمٹتا ہی تو انسان نظر آتا ہے
کوئی میخوار چلا آتا ہی میخانہ بدوش
مست و سرشارِ ازل، ساغر و پیمانہ بدوش
لیجیے بزم میں اب حضرتِ انسان آئے
حاملِ میکدۂ عالمِ عرفاں آئے
آئنہ دیکھ کے ساقی نے اُٹھایا پردہ
دلِ میکش میں رہا کچھ بھی نہ ساقی کے سوا
جہلِ بے حد جو نہیں ہی تو یہ گویا کیا ہی
غرقِ صہبا یہ کہے، ساقی و صہبا کیا ہے

(۵۰)

جب ہوا وا درِ میخانۂ ساقیٔ حجاز
ذرّے ذرّے سے نمودار ہوئے ساغرِ راز
بادۂ راز سے سرشار تھے سب اہلِ نظر
اُٹھ گئے آنکھ سے دُنیا کے حجاباتِ مجاز
کعبے والوں میں مگر ایک ابوجہل بھی تھا
جس سے دیکھا نہ گیا یہ کرمِ بندہ نواز
ہوگیا جلوۂ خورشید کا منکر خفّاش
لَا اِلٰہ کا مخالف رہا ظلمات کا ساز

مغالطۂ نظر

(۵۱)

غیب سے آئی ندا ، اے آدمی کیوں مرا منکر ہی تو ، مجھکو بتا؟
آدمی نے یہ دیا سُنکر جواب دِل نہیں منکر ہے تیرا اے خدا
آنکھ اسیرِ عالمِ تصویر ہے چاہتی ہے شکل تیری دیکھنا
ڈھونڈھتا تھا میں مناظر میں تجھے میری نظروں نے مجھے دھوکا دیا
یہ نہ سمجھا نور ہے وجہِ نظر خود میں تیرے نور سے ہوں دیکھتا
نورِ دید و نورِ عقل و نورِ دل آفتاب و علم و ایمانی ضیا
سب یہ تیرے نور کے انوار ہیں ظاہر و باطن میں ہی تیری ضیا

جب کھُلیں آنکھیں تو میں سمجھا یہ راز
ہوں بہت نادِم مجھے دھوکا ہوا

اذان

(۵۲)

خود ہی ہوں جس سے نمودار صبح کے آثار فضا میں مردِ موذّن وہ حال پیدا کر
تڑپ اُٹھے جسے سنتے ہی ہر دلِ خفتہ اذاں میں اپنی وہ دردِ بلال پیدا کر

(۵۳)

شکستہ دل ہوں، نہ دل شکستہ، حضور میں آئیں دست بستہ
شکستہ آئینے ڈھونڈھتا ہے، جمالِ آئینہ ساز خود ہی
اذانِ اسلام یہ ہے گویا کہ جاگ جائے جہانِ خفتہ
دلوں کی بیداریوں میں مضمر بلندیوں کا ہے راز خود ہی

اِنعکاس

(۵۴)

ہنگامِ دید، سارے جہاں کے تکلفات — پاکر تجلّیوں کے اشارات، اُٹھ گئے
پرتو تھا اشک میں اِک آفتاب کا — آنکھوں کے سامنے سے حجابات اُٹھ گئے

(۵۵)

نگاہِ راز و حقیقت شناس پیدا کر — پیامِ پرتوِ خورشید ہے، طلوعِ سحر
حجاب اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں — اُدھر سے بخشی ہی جاتی ہے آنسوؤں کو نظر

(۵۶)

جہاں میں شرط ہے حسنِ قبول و استعداد — دلِ صدف ہی کے سانچے میں ڈھلتے ہیں گوہر
خدا پناہ میں رکھے کہ گردِ دنیا کو — جہاں میں دیکھا گیا ہے ہمیشہ خاک بسر

(۵۷)

بہار اُٹھاتی ہے جب روئے آب و گل سے حجاب   نمایاں ہوتے ہیں جوہر شجر کے گل ہو کر
اگر تڑپتا ہے جوہر کوئی ترے دل میں   تو آپ آئیگا اِک روز بر سرِ منظر

(۵۸)

ہے تیرا قول و عمل خود ہی تیرا آئینہ   تو اپنے سامنے ہو دیکھ تو اُٹھا کے نظر
تو اپنے آپ کو یہ دھوکا دے رہا ہے کیوں   یہ خود فریب ہے تیری نگاہِ خویش نگر

(۵۹)

نہ جبتک ستارے بنے دِل تڑپ کر   نہ پائے کبھی منزلِ آسمانی
بلندی کی راہوں کو کیا خاک پہونچے   کہاں گرد میں رفعتِ لا مکانی

(۶۰)

ہر طرف چھائی ہوئی ہیں نور کی نیرنگیاں   راستا منزل کی جانب کِس گلستاں سے نہیں
آنکھ والے دیکھتے ہیں اپنے ہی دل میں بہار   تو ابھی واقف جمالِ سوزِ پنہاں سے نہیں

موج و ساحل

(۶۱)

ہر تجلّی کے بعد ہے، پردہ   بعد ہر پردے کے، تجلّی ہے
سیکڑوں عالمِ شہادت و غیب   دیکھکر موج، آگے بڑھتی ہے

صدف و گوہر

(۶۲)

ہے اشک قطرۂ نیساں، گہر بنالے اِسے
ہے آنکھ والا تو، وجہِ نظر بنالے اِسے
عطا کیا ہے یہ آئینہ تجھکو رحمت نے
نظر میں رکھ کے، حقیقت نگر بنالے اِسے

برگ و شبنم

(۶۳)

سحر یہ گوہرِ شبنم سے برگِ گل نے کہا
میں چشمِ سوز کا حاصل ہوں تو تبسّم کا
سمجھ میں آتی نہیں ظاہری کوئی نسبت
مجھے یہ ربط ہی تجھسے تو اس میں راز ہی کیا؟
دیا جواب یہ دانائے رازِ گلشن نے
تجلّی مجھ میں ہی جسکی، اُسی کی تجھ میں ضیا
اُنھیں شعاعوں نے یہ رنگ مجھ کو بخشے ہیں
سحر کے وقت جنھوں نے ہی تجھ کو جھلکایا
جگہ تجھے مرے دامن میں اِس لئے دی ہے
کہ رُخ ہی دوسرا خود تو مرے مرقّع کا
یہاں ہی موجِ تبسّم کے بعد ہی آنسو
پسِ تبسّم ہستی ہی، لازمی گریہ
تماشا غنچۂ ہستی کا دیکھ سوتے میں
کہ پہلے سوتے میں ہنستا ہی اور پھر روتا
وہی منازلِ ہستی میں اے ندیم ترے
ہی جن کا نام یہاں موج و قطرہ و دریا
تجھے ہی ملنا ابھی تو خود اپنے دریا سے
ہے تیرے سامنے ہی دیکھ آفتاب ترا!

ابتدا و انتہا

(۶۴)

غور کر آغاز سے انجام پر ۔۔۔ تخم میں ہوتا ہے پوشیدہ ثمر
کر مآلِ زیست پر اپنے نظر ۔۔۔ تجھ میں ہے تیرا مآلِ زندگی
اور صدف کے دل میں ہوتا ہے گہر ۔۔۔ موج کے سینے میں دریا کا جمال

کونسا جوہر ہے تجھ میں یہ بتا
اے مآلِ زندگی سے بے خبر؟

تفسیرِ توحید

(۶۵)

یا شفق کی طلائی تحریریں ۔۔۔ وہ سحر کے نقوشِ سیمیں ہوں
سب یہ انوار کی ہیں تفسیریں ۔۔۔ بہرِ تفسیرِ جلوۂ توحید

افسانہ و حقیقت

آدمی ایک کو خدا مانے (۶۶) ۔۔۔ بات ہی ایک باقی افسانے
کریں انکار لاکھ دیوانے ۔۔۔ تو خدا کا خدائی ہے تیری

اشکِ نیم شبی

(۶۷)

(۵ دسمبر ۱۹۳۶ء نصف شب)

چند آنسو ہیں شب میں شمعِ راہ　　جا رہی ہے کسی طرف کو نگاہ
بزمِ خلوت میں ہے تجلیِّ ماہ　　چاندنی چھپ رہی ہے پتوں میں
نظر آتا ہے ہر طرف گویا
منظرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

نفی و اثبات

(٦٨)

پڑتی ہی دنیا کی نگاہ　　کس درجہ ہیں ہم بھی تباہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
آج وہی ہیں گردِ راہ　　پہلے جو تھے مہر و ماہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
قافلے والے گم ہیں آہ　　بھول کے اپنی منزل کو
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
وہ دیکھے غیروں کی نگاہ　　ملّت جو توحید کی ہو
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ

(۶۹)

مردِ مومن کی ابتدائے نظر حدِّ ادراکِ فلسفیٔ جہاں
پوچھتا کیا ہے منتہائے نظر دِل سے کہہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(۷۰)

نقشِ باطل تو کسی شے میں دکھا دے مجھکو لالہ و گل تو ہیں آئینۂ حسنِ فطرت
ورنہ دنیا میں کہاں بُت ہیں بتا دے مجھکو خلق بتخانہ اگر ہے تو دِلِ آذر میں

یقین

(۷۱)

مکانِ دل میں جب اُس کا مکین آتا ہے تو اُس کے آنے سے پہلے یقین آتا ہے
شعاعیں دیتی ہیں پیغامِ آمدِ خورشید حجاب اُٹھانے کو نور المبین آتا ہے

(۷۲)

یقین شمعِ حقیقت، یقین نور و حضور یقین محوِ تجلّی۔ یقین بر سرِ طور
ہمیں یقین ہے گویا نہیں شک اس میں ذرا جو دل یقین سے ہے دور، وہ خدا سے دور

(۷۳)

دِلوں کا عالمِ امکاں ہے بر بنائے یقیں نہیں ہے کچھ بھی تو ممکن اگر نہ آئے یقیں
طلوعِ مہر سے پہلے سحر نہیں ہوتی یقیں کے ساتھ ہے لاریب خود خدائے یقیں

بلند ہوتا چلا جائیگا جہاں تک دِل
بلند ہوتا چلا جائیگا سمائے یقیں

خدا کو مان نہ اپنا بکھیر شیرازہ
بنا نہ خلق میں سو مرکزِ فضائے یقیں

وہاں پہونچ ہو، جہاں تک نظر پہونچ نہ سکے
فقط ہی ایک ہی مقصود ومدعائے یقیں

یہ دِل کی آنکھ ہے بہرِ شہودِ جلوۂ دوست
اُٹھا نہ غیر کی جانب اے آشنائے یقیں

رہینِ فکر نہیں ہے بصیرتِ اَزَلی
ازل کے روز سے ہوتی ہی ابتدائے یقیں

یقین و وہم میں ہی فرق، نور وظلمت کا
کہاں غبارِ جہاں اور کہاں سمائے یقیں

شہودِ بلند

جہانِ پست نگاہی سے ماوری ہوکر (۷۴)
نصیب ہوتا ہی انسان کو شہودِ بلند

بغیر دِل کی تڑپ کے مگر نہیں ممکن
ہزار پھینکا کرے آرزو خیالی کمند

تَشکُّر

کتنی کریم بار خدا تیری ذات ہی (۷۵)
وہ دی نظر جو آئینۂ کائنات ہے

وہ دِل دیا جو محوِ جمالِ صفات ہی
وہ جان دی جو جان سے قربانِ ذات ہے

اِکرام کا بیان سے باہر بیان ہے
یارب ہزار شکر ہیں اور اِک زبان ہے

باب دوم۔ محمد رسول اللہ

(۷۶)

حاصلِ کائنات ہستیٔ پاک — شاہد اِس پہ ہیں معنیٔ لولاک
دِل کی معراج اُن کی پابوسی — ذرّۂ خاک، برتر از افلاک

درود و سلام

(۷۷)

سرچشمۂ رحمت و رسولِ اکرم — سرتاجِ انبیا و فخرِ آدم
خورشید کائنات و ماہِ طیبہ — صلّی اللہ علیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم

(۷۸)

آ اے دلِ مشتاق بصد تعظیم آ — اِس بزم میں از راہِ سرِ تسلیم آ
رحمت کا مقام ہے حضورِ اقدس — صلّو علیہِ وَ سَلِّمُو تسلیما

ماہِ مدینہ

(۷۹)

سرورِ سینہ، مۂ مدینہ، نظر حرم میں سحر جب آیا — سحر کے تاروں کے جھرمٹوں میں زمیں نے خود اپنا چاند پایا
فضائیں تھیں غرقِ نور ساری، تمام عالم پہ وجد طاری — ستاروں نے پاؤں چومے آکر، فلک نے قدموں پہ سر جھکایا
کرن کرن میں عجب بھرن تھی، کہ ذرّے ذرّے میں ضَو فگن تھی — شعاعیں ذرّوں سے پھوٹ نکلیں، تجلّیوں میں تلاطم آیا
زمیں کی رفعت فلک سے گذری، فلک کی خلقت زمیں پر اُتری — کہ اُن کے قدموں کے نیچے اپنا، ہر اک فرشتے نے پر بچھایا
کروروں پیہم سلام اُن پر، ہو رب کی رحمت مدام اُن پر — زمیں کے ذرّوں کو رحمتوں سے سمائے مہر و قمر بنایا
ہے آجتک وہ جمالِ کوثر، دلوں کا چشمۂ منور — کہ جس نے دریا تجلّیوں کا ہمیشہ پیاسوں میں خود بہایا

وہی تھی گویا زمیں عرب کی جو تنگ تھی ظلمتوں سے شب کی
اُسی نے اُس نورِ رب کو پایا کہ جس نے عالم کو جگمگایا

رسولِ کریم

(۸۰)

مقدس اور منور ہے اسمِ پاکِ کریم
تمام نور کا عالم ہے صرف شرحِ دو میم
اُنھیں کے فیض کا گنجینہ سینۂ مومن
اُنھیں کے نور کا آئینہ، انبیائے قدیم
اُنھیں کے فیضِ قدم سے دلوں کے غنچے کھلے
اُنھیں کے ساتھ ہی آئی ہے اس چمن میں نسیم
اُنھیں کے ساتھ دلوں کی تھی جنتِ فردوس
اُنھیں کے ساتھ ہی آئی ہے ان گلوں میں شمیم
اُنھیں کے قُرب کا ہے نام خلدِ نور و حضور
اُنھیں سے بُعد کا انجام نارِ زار و جحیم
اُنھیں کے دامنِ رحمت میں ہے دلوں کی جگہ
ہے پردہ پوشِ دو عالم، فقط اُنھیں کی گلیم
اُنھیں کے فیض و کرم سے ہے موجزن گویا
ہر ایک سینۂ سوزاں میں کوثر و تسنیم

تصدیقِ رسالت

(۸۱)

نہیں، ذرّہ ہی زمانے میں کہ خورشید بھی ہے
قطرہ کہتا ہے مرا کوئی سمندر ہے ضرور

آدمیّت کے مدارج یہ بتاتے ہیں ہمیں
کامل انسان کمالات کی حد پر ہے ضرور

اکتسابی نہیں، فطری ہی یہ شانِ تکمیل
نور ہی جس کو بنایا وہ منوّر ہے ضرور

دیکھکر آئینہ ہم کو یہ خیال آتا ہے
کوئی نقّاشِ مناظر پسِ منظر ہے ضرور

نور سے جس کے منوّر ہوئے لاکھوں سینے
ماہِ انوارِ رسالت وہ پیمبر ہے ضرور

خود نبوّت کے مدارج بھی یہی کہتے ہیں
مرتبہ کوئی حدِ فہم سے باہر ہے ضرور

اس حقیقت پہ تو اللہ خود ہی شاہد ہے
نور کا نور ہر انسان کا رہبر ہے ضرور

(۸۲)

جب اُٹھا روئے رسالت سے نقاب
اُٹھ گئے دنیا کی آنکھوں سے حجاب

ہوگیا قائل جہاں توحید کا
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

(۸۳)

رب کو رب مان کر بھی اے ناداں
پوچھتا ہے، پیمبری کیا ہے

آبِ نیساں کو جو نہ پہچانے
گوہروں کا وہ جوہری کیا ہے

تجلّیاتِ نور

(۸۴)

کوہِ فاراں کی بلندی سے وہ چمکا آفتاب
دیکھکر جس کو اُٹھے دنیا کی آنکھوں سے حجاب
سامنے آئی نگاہوں کے حقیقت بے نقاب
نور کے سینے میں تھی اللہ کی روشن کتاب

کہہ رہا تھا ذرّہ ذرّہ دیکھکر تفسیرِ نور
ظلمتِ باطل کا پردہ چاک ہونا ہی ضرور

فرش سے اُٹھکر غبار اب عرش تک جانے لگا
سجدوں میں معراج اپنی آدمی پانے لگا
آشکارا نورِ در پردہ نظر آنے لگا
نور جب آنے لگا تو سایہ شرمانے لگا

جب رہا پردہ نہ کوئی ناظر و منظور میں
محو شبنم کی طرح دل تھا جمالِ نور میں

بزمِ سرکارِ مدینہ میں جدھر جائے نظر
پائیگی چاروں طرف نورِ رسالت جلوہ گر
ذرّے ذرّے کی نظر ہے بزم میں اُس نور پر
جس کے نظّاروں میں آتی ہے نظر ہر سو سحر

کر رہے ہیں صبح کے تارے تلاوت نور کی
نور کی سورت میں محو ایک ایک آیت نور کی

اب دلوں میں صبح کا عالم بجائے شام تھا
میٹ دینا ظلمتوں کا نور ہی کا کام تھا

جس طرف دیکھو جہاں دیکھو خدا کا نام تھا
حق کی تکبیروں سے باطل لرزہ بر اندام تھا

کہہ رہا تھا عالمِ کون و مکاں کا انقلاب
ذرّے ذرّے میں ہی خورشید رسالت بے نقاب

بزمِ حضور

(۸۵)

آؤ دیکھو حرم میں بزمِ حضور
بے شمار آئینے ہیں اور اک نور

بیچ میں جلوہ گر ہے شمعِ حرم
سیکڑوں ہی طواف میں ہیں طور

اس سے آگے بڑھو تو عالم میں
خود اسی نور کا ہے نور و ظہور

ذرّہ ذرّہ ہی جس کا آئینہ
کائنات اک کھلی کتابِ نور

ہے اسی بزم میں وہ خلوت بھی
جس میں اے دل، میانِ نور ظہور

درمیاں جبرئیل بھی تو نہیں
وہی خلوت ہے، خاص بزمِ حضور

جلوہ معراج

(۸۶)

اپنے خورشید کا آئینہ ہے ماہِ طیبہ
منزلیں ہیں رہِ معراج کی دَرجاتِ وصال

نور کا رُخ ہے خود اپنی ہی حقیقت کی طرف
فی الحقیقت نہیں کوئی حدِ معراجِ کمال

فاصلے ہوتے ہیں طے چشم زدن میں صدہا
منزلیں طے کیا کرتے ہیں نگاہوں میں جمال

مہر اور ماہ تو ہیں فرشِ سرِ راہ یہاں
وقت کا عالمِ بالا میں نہیں کوئی سوال

جسم اور روح کی اِس بزم میں بحثیں کیسی؟
معنیٔ نور سمجھ کر کریں ہم دل سے جدال

اُن کی معراج کے راز اور ہماری عقلیں
جن کے قدموں کو نہ پہونچے کبھی پروازِ خیال

سامنے نور کے تھا، نور کا بے پردہ ظہور
اُٹھ کے سب کہہ گئے پردے گذرِ غیر، محال

کوثرِ رحمت

(۸۷)

بعد فہمِ عطیۂ کوثر
پڑھ! فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ

کتنا سچا تھا خوابِ ابراہیم
کہا ربّ نے، خلیل، قرباں کر

اُس کی تعبیر کا جب آیا وقت
حکم پایا حبیبؐ نے کہ نحر

کیا اُمّت پہ آل کو قرباں
دین ہو جائے تا کہ زندہ تر

دیکھ قربانیٔ عظیمِ حسین — سر تھا سجدے میں حلق پر خنجر
پاک قرآن اور اسکی یہ تفسیر — غیرِ فانی بمعنیٔ کوثر
زندہ جاوید ہے نبی کا حسین — دشمنِ آلِ پاک، خاک بسر
صاحبِ فیضِ کوثرِ جاری! — اِنَّ شانِئَکَ ہُوَا الاَ بتر
چشمۂ رحمتِ نبیؐ کریم — یوں ہی جاری رہیگا تا محشر

عمر بھر یہ نماز و قربانی — فرض و واجب ہے اُمتی تجھپر
بغیر اس کے کبھی نہ پہونچیگی — یہ تری ناؤ تا لبِ کوثر
غور کر نا شناسِ نحر و صلات — عملاً کیا بتا گیا رہبر
دل سے قربان اِدھر نماز میں ہو — با لعمل اُس طرف فدا حق پر
یہ حقیقی نماز و قربانی — موجِ تسنیم و جلوۂ کوثر

اُٹھو اے طالبانِ منزل اٹھو — کر دو تقلیدِ اُسوۂ رہبر
دل سے حق پر نثار ہو جاؤ — زندہ ہو جاؤ جانیں دے دے کر
ڈالدو ناؤ کو سمندر میں — موج و طوفاں میں توڑ دو لنگر

بحرِ خوں میں شناوری سیکھو
پڑھ کے قرآں میں آیتِ والنحر

سامنے ہی حسین کی ہی پیاس
روبرو ہی وہ چشمۂ کوثر

جس کا ساقی محمدِ عربی
جس کی ہر موج میں ہزار گہر

ہر گہر میں وہ ایک آئتِ نور
جو ہی تاباں مثالِ نجمِ سحر

آنکھیں کھولو کہ رحمت جاری
یہاں قرآن ہے، وہاں کوثر

یہی وہ چشمۂ منوّر ہے
قطرہ قطرہ ہے جس کا مہر و قمر

خود اسی کے سحابِ رحمت سے
ہوئی عالم میں بارشِ گوہر

لاکھوں سیراب ہو چکے پیاسے
اور ابھی ہونگے بے شمار خضر

بنو قرآں کی بالعمل تفسیر
پاؤ کوثر کو سینوں کے اندر

یہاں قربانی و حیات ہیں ایک
جزوِ کوثر ہے آیتِ والنحر

مناظرِ کوئے حبیب

(۸۸)

یہاں کی تو شام و سحر اور کچھ ہے
وہاں کی فضائے نظر اور کچھ ہے

جہاں ذرّے ذرّے میں ہی دل کی منزل
حقیقت میں وہ رہگذر اور کچھ ہے

نظر آتی ہیں جس میں کوثر کی موجیں　　وہ اک ساحلِ چشمِ تر اور کچھ ہے
خدا جانے کیا دیکھتی ہیں نگاہیں　　وہاں حیرتِ بام و در اور کچھ ہے
نظر آتے ہیں سیکڑوں چاند سورج　　وہاں بزمِ مہر و قمر اور کچھ ہے
وہاں دل تڑپتا ہے بہرِ نظارہ　　یہاں کاوشِ بال و پر اور کچھ ہے
نگاہوں میں پھرتی ہی وہ بزم جس میں　　بہر دور، دورِ نظر اور کچھ ہے
وہاں یہ نہیں بارشِ اشک و شبنم　　وہاں رنگِ لعل و گہر اور کچھ ہے
کہاں طورِ سینا، کہاں وہ مدینہ　　وہاں جلوۂ جلوہ گر اور کچھ ہے
جہاں کی زمیں عرشِ اعظم سے اونچی　　وہاں آسمانِ نظر اور کچھ ہے

نظر میں ہیں گویا مناظر وہاں کے
جہاں منتہائے نظر اور کچھ ہے

بزمِ اصحابِ پاک رضی اللہ عنہم

(۸۹)

حیات اُن کی، قُمات اُن کی جو زیرِ گنبدِ خضرا　　ستاروں کی طرح ہیں محوِ انوارِ مہِ طیبہ
فرشتے آسمانوں سے تصدق ہونے آتے ہیں　　گروہِ انبیا و اولیا کرتے ہیں نظارہ
جمالِ ماہِ طیبہ میں یہ گم وہ دو ستارے ہیں　　لقب صدیق اور فاروق ہے اسلام میں جن کا

خدا کی رحمتیں تا حشر رحمت کے وسیلے سے
بروحِ پاکِ صدیق و عمر بے حد و لا تحصٰی

بروحِ جامعُ القرآن یعنی حضرتِ عثماں
خداوندا کرم سے تو صلاتِ دائمی فرما

بروحِ جملہ اصحابِ نبیٔ رحمتِ عالم
الٰہی تحفۂ پیہم درود از جانبِ گویا

سَفِینَۃُ الاُمَّت

امیرُ المِلَّت، صاحبُ السَّیفِ والقَلَم، مخصوصُ العِلمِ والعَلَم

بابِ مدینۂ علمِ مصطفیٰ، سِرِّ سینۂ انوار و ضیا

اسد اللہ الغالب، علی ابنِ ابی طالب

(۹۰)

وہ عرشِ اجتبا کی رفعتوں کا مظہرِ تاباں
وہ شانِ مصطفیٰ کا ہمہ تن آئینۂ شایاں

وہ جس کی ذات کشتیٔ نجاتِ اُمّت و مِلّت
ز گردابِ بلا و ابتلا و ظلمت و طوفاں

وہ ہادیٔ رہِ منزل، امیرِ کاروانِ دل
امیرالمومنیں یعنی امیرِ عالمِ ایماں

وہ جسکی منتخب شانِ فقیری میں وہ میری تھی
کہ اُس کے بوریئے پر عرش کی تھیں رفعتیں قرباں

وہ جس نے جوہر اس نانِ شعیری کے دکھائے ہیں
وہ جسکے سامنے تھا ہیچ ہی دنیا کا دسترخواں

وہ جس کے فیض نے سدا بہائے نور کے دریا
وہ جس کے سینۂ اقدس سے جاری کوثرِ عرفاں

وہ جسکی بارشِ گلہائے اسرار و معارف سے
یہاں فردوسِ جنت ہی، سرورِ سینۂ سوزاں

وہ جس کے ایک پرتو سے کروروں خاک کے ذرّے
فضائے علم و حکمت کے بنے مہر و مہ تاباں

ہزاروں جان سے پروانے شمعِ مرتضائی کے
وہ لاکھوں سینے رکھتے ہیں جو پہلو میں دلِ سوزاں

سراپا ذات جس کی پیکرِ قرآنِ ناطق ہے
بیانوں میں کھلا ہی جس کے بابِ سورۂ رحماں

بیک فیضِ نظر ہیں صدہا اُن رازوں کی تفسیریں
فضائیں جن سے عالم کی ہوں سرشارِ مئے عرفاں

ہزاروں آسماں عقلوں کے جس کے فہم میں گم ہیں
وہ اک نکتہ ہی اُس کے علم و حکمت کا سرِ داماں

مکمل طینتِ آدم کی تھی شانِ بوترابی میں
کہ اُس کے سامنے تھا سر جھکائے عالمِ امکاں

جلالت جس کے چہرے کی ہی برقِ خرمنِ باطل
شجاعت دیکھکر زیرِ زمیں ظلمت کدہ پنہاں

یداللّٰہی بلندی سے، بلندِ اسلام کا پرچم
کیا اس شان و شوکت سے کہ دنیا دیکھکر حیراں

شجر اپنے پھلوں سے خلق میں پہچانے جاتے ہیں
حسین اک لختِ دل جس کا ہو، اُسکی رفعت ای انساں!

وہ جس کے نعرۂ تکبیر سے دشت و جبل کانپیں
بخوفِ ضربتِ حیدر زمین و آسماں لرزاں

علی کی ہمتِ عالی کے آگے سر نہیں اُٹھتا
یہاں مہر و قمر چکر میں ہیں، افلاک سرگرداں

سخاوت جس کی ہی مشہور گویا سارے عالم میں
گدائے در کا پھیلا ہے اُسی کے سامنے داماں

فاتحِ خیبر

دل کی زمین اپنا تو آج آسمان دیکھ
اسلام کا سریر فلک پر نشان دیکھ ۹۱

ہو کر بلند فاتح خیبر کی شان دیکھ
اُٹھکر علی کی ہمتِ عالی جوان دیکھ
جبتک نہ دل بلند ہو ممکن نہیں نظر
پاتا ہے طور بن کے غبارِ زمیں نظر

آمد خدا کے شیر کی ہے رزمگاہ میں
ہلچل پڑی ہوئی ہے مخالف سپاہ میں
میداں میں ہے قرار دلوں کو نہ راہ میں
راہِ فرار گھوم رہی ہے نگاہ میں
سینوں میں دل نہیں ہے تو دل میں جگر نہیں
وہ حشر ہے کسی کو کسی کی خبر نہیں

اِک ہاشمی جوان امیرِ مجاہدین
جس کو کبھی نہ بھولیگی خیبر کی سرزمیں
آیا نظر اُٹھائے ہوئے وہ نشانِ دیں
جس کی بلندیوں کا مقابل کوئی نہیں
دستِ علی میں آج بلند آسمان ہے
اسلام کا سر پہ فلک پر نشان ہے

تکبیرِ شیرِ حق سے قلعہ خود اولٹ گئے
سینوں میں دل تو دل میں جگر خود ہی پھٹ گئے
سائے کی طرح فوج کے بادل سمٹ گئے
عجلت میں خود صفوں کی طرح سے لپٹ گئے
دشت و جبل میں نعرۂ حیدر کی گونج تھی
چاروں طرف ہی فاتح خیبر کی گونج تھی

فتح خیبر

بزدل تھے غازیوں سے اگرچہ ہزار چند — پھر بھی گھڑوں میں چھپ رہے ہو کر قلعہ میں بند
دیوار تھی قلعہ کی زمیں سے بہت بلند — لیکن علیؑ کی ہمّت عالی تھی ارجمند

تکبیر کی گرج سے پہاڑوں کو پھاڑ کر
حیدر نے رکھ دیا درِ خیبر اُکھاڑ کر

ارض و سما میں دھوم تھی حیدر کی شان کی — تعریف تھی نبی کے دلاور جوان کی
نظریں ادھر بلند ہلالی نشان کی — گردن اُدھر جھکی ہوئی ہر آسمان کی

خیبر پہ اُڑ رہا تھا وہ پرچم ہلال کا
جھنڈا گڑا تھا عرش پہ جس کے کمال کا

خطاب بہ نوجوانِ ملّت!

دِل سے لگا تو نعرۂ تکبیر نوجواں — تیرا بھی عزم جانچنے والا ہے آسماں
تیرے بھی ہونے والے ہیں دنیا میں امتحاں — شیرِ خدا سے ہی تجھے لینا سبق یہاں

اے حق پرست خیبرِ باطل ہیں سامنے
کیا دیکھتا ہے تیرے مقابل ہیں سامنے

اَعلَونَ ہی بشارتِ اعلیٰ ترے لئے — فتح و ظفر کا دائمی مژدہ ترے لئے

رب نے کیا جہان کو پیدا ترے لئے
تو ہی خدا کا سارا زمانہ ترے لئے

لیکر علی کی روح سے توحید کا سبق
اُٹھ اور اُلٹ دے ظلمتِ باطل کا ہر طبق

اِفرادِ ملّت کا موجودہ افتراق

توحیدِ اجتماعی ہو جس دین کا سبق
تفریق میں بکھیریں ہم اُس کا ورق ورق!!
افسوس اہلِ درد کا کیونکر نہ دل ہو شق
خوفِ خدا، نہ غیرتِ دینی نہ پاسِ حق

اللہ پاک وحدتِ دینی کے درد سے
ٹوٹے ہوئے دلوں کو پھر اک بار جوڑ دے

پروانوں کو بتا دے کہ شمعِ ہدیٰ ہی ایک
نور ایک اور نور کا نور، آئنہ ہی ایک
توحید کا جہان میں جلوہ نما ہی ایک
موسیٰ کے اور خلیل کے دل کی دعا ہی ایک

سب مل کے اُس کے دامنِ رحمت کو تھام لیں
ہے حکم لا تفرّقوا، عقلوں سے کام لیں

خطاب بہ افرادِ ملّت!

توحید ہی ہے ملت و افراد کی حیات
افراد ایک ذات کے ہو کر ہوں، ایک ذات
خود ذرّوں کے نظام کا ہی نام کائنات
دیکھیں تو دل ملا کے پھر اہلِ مشاہدات

پائینگے پھر جہان نیا اس جہان میں
بن کر ستارے چمکینگے پھر آسمان میں

توحید اور کشاکشِ افراد، الحذر — دینی اُخوّت اور یہ بیداد، الحذر
ملّت کی روح کرتی ہے فریاد، الحذر — ہم غافل اور تاک میں صیّاد، الحذر

اُٹھو جو انو میٹ دو تفریق کے نشاں
پھر سے بساد باہمی توحید سے جہاں

سِلکِ گُہری

(۹۲)

جوہر متجلّی ہوں تو آئینہ گری ہے — ورنہ کہاں آئینہ حجابِ نظری ہے
ٹکڑے ہوں جدا دل کے، تو ٹکڑے دلِ ملّت — پیوستہ ہوں آپس میں تو سلکِ گہری ہے

(۹۳)

یہ راز بتایا اُسی ماہِ مدنی نے — خود جس سے ضیا پائی ہے ہر ضو فگنی نے
شیرازہ ستاروں کا بکھرنا ہے قیامت — ٹوٹے ہوئے دل جوڑے ہیں وحدت کے دھنی نے

(۹۴)

نظمِ ملّت، نظامِ واحد ہے — ربطِ ساقی و جامِ واحد ہے
وہ ہے لاریب دشمنِ اسلام — جو خلافِ پیامِ واحد ہے

نعتِ اقدس

(۹۵)

گہر وہ کر تو اپنے آپ میں اے چشمِ تر پیدا
کہ جس کی ضو سے ہو جائے خود آنکھوں میں نظر پیدا

تصور سے جمالِ پاک کے ظلمت مٹا لے دل
خیالِ ساقیٔ کوثر سے کر اپنی سحر پیدا

مِرے ساقی ہیں تیرے فیض کے مہر و قمر شاہد
کہ جلوے ہی نہیں تو نے کیے ہیں جلوہ گر پیدا

جو تیری راہ کا ذرہ ہے وہ شمعِ ہدایت ہے
ترے ہر نقشِ پا نے کر دیئے صدہا خضر پیدا

اشاروں میں نمایاں کر دیا اُس راز کو تو نے
نہ کر سکتی کبھی جس کو دو عالم کی نظر پیدا

پہونچ جاتے ہیں آنسو بھی کبھی اپنے سمندر تک
تعلق کرتی ہے بحرِ کرم سے چشمِ تر پیدا

بلندی کی طرف ہوتی ہے گویا جب تڑپ دل کی
تو خود ہر گنبدِ بے در میں ہو جاتے ہیں در پیدا

(۹۶)

نثار جب ہو چکیں گے تجھ پر ستارے شب کے چمک چمک کر
کریں گے بزمِ سحر کو روشن ہمارے آنسو جھلک جھلک کر

اُٹھائے گا جب جمالِ ساقی، درِ نظر سے حجاب باقی
چلیں گے خود بزمِ جلوگی میں دلوں کے ساغر چھلک چھلک کر

سراغِ کوثر چلا ہی لیں گے غموں کو دریا بنا ہی لیں گے
کبھی تو ساقی کو پا ہی لیں گے بہ اشکِ پیہم ٹپک ٹپک کر

وہ جن کے قدموں کے نیچے آنکھیں تمام اہلِ نظر بچھائیں
وہ ہم کو آ کر خود ہی جگائیں ہمارا دامن جھٹک جھٹک کر

تری اے مسلم نظر سلامت، نظر میں اُن کا اثر سلامت
تجھی سے فردوس بن چکے ہیں ہزاروں کانٹے کھٹک کھٹک کر

(۹۷)

اپنی شب کو شب مہتاب بنا لیتے ہیں — اہلِ دل اُن کے تصوّر سے ضیا لیتے ہیں
دسترس ہوتی نہیں ہے جو قدم تک اُن کے — چوم کر ہاتھ ہی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں
رحمتوں سے کوئی اللہ کی مایوس نہ ہو — دلِ شکستہ کو وہ سینے سے لگا لیتے ہیں
سامنے ہوتا ہے آنکھوں کے حرم کا نقشہ
راہِ طیبہ میں جہاں سر کو جھکا لیتے ہیں

(۹۸)

دریادلی ساقی، گویا اسے کہتے ہیں — پیاسوں کا تلاشی ہے، دریا اسے کہتے ہیں
ہر ذرّے میں تنویرِ سرکارِ دوعالم ہے — یہ جلوؤں کی بستی ہے، طیبہ اسے کہتے ہیں
سر فرشِ زمیں پر ہو، دل عرشِ بریں پہ ہو — اے ذوقِ جبیں سائی، سجدہ اسے کہتے ہیں
کافی ہے مجھے گویا فرمادیں اگر حضرت
یہ میرا ثناگر ہے، گویا اسے کہتے ہیں

(۹۹)

چمک اُٹھے تارے سمائے زمیں میں — یہ کون آگیا بزمِ عرشِ بریں میں
وہ خلوت کدے سے ہوئے جب برآمد — بہار آگئی، محفلِ اولیں میں

(۱۰۰)

دور ہوتی ہیں دور کی باتیں — ہوتی ہیں جب حضور کی باتیں
شبِ معراج کے پیام و سلام — نور کے ساتھ نور کی باتیں

(۱۰۱)

زبان پر جو علیہ السلام آتا ہے
یہ کس کا نام بصد احترام آتا ہے

حجاب اٹھے ہوں آنکھوں سے اشک جاری ہوں
کبھی تو لطفِ درود و سلام آتا ہے

کہیں گے دیکھ کے حضرت کو انبیائے کرام
قیام اے صفِ محشر امام آتا ہے

یہ حشر میں نظر آئے گا اہلِ دنیا کو
کہ کون کس کی مصیبت میں کام آتا ہے

کوئی تلاش میں گویا ہو اسمِ اعظم کی
مجھے تو اپنے معظم کا نام آتا ہے

(۱۰۲)

درودوں میں نظر آتی ہے ساحل کی فضا گویا
محبت اہل بیتِ پاک کی دل کا سفینہ ہے

کھلے جو آنکھ تو وردِ زباں ہو صلِّ علیٰ
ہو بند آنکھ تو کھل جائیں در مدینے کے

نبی ہو جس کا محمد امام جس کا حسین
وہ قوم اور زمانے میں بے وقار رہے

سیّدنا حضرت امام حسین علیہ السلام

(۱۰۳)

اسلام کو درکار ہے ظرفِ دلِ شبّیر
لفظوں میں سماتی نہیں قرآن کی تفسیر
شبّیر نے خود اپنی شہادت کے ورق پر
اسلام کا پیغام کیا خون سے تحریر

سلام بجناب امام علیہ السلام

(۱۰۴)

سلام اُس نور پر جو کربلا کے چاند میں چمکا
سلام اُس نور پر جو مرتضیٰ کے چاند میں چمکا
سلام اُس نور پر جو سیّدہ کے چاند میں چمکا
سلام اُس نور پر، اپنی ضیا کے چاند میں چمکا

سلام اُس نور پر اور اُس کی آلِ پاک و اطہر پر
حسین و اکبر و اصغر پر اور سب اہلِ کوثر پر

سلام اے کربلا کے چاند تجھ سے کربلا روشن
زمینِ کربلا کے نور سے ارض و سما روشن
ستاروں سے تیرے اب تک ہے اشکوں کی فضا روشن
دلوں کے سامنے رکھا ہوا ہی آئینہ روشن

نظر کے سامنے پھرتی ہی روشن انجمن تیری
ابھی سینوں میں ہی ایک ایک شمع ضو فگن تیری

ضیائیں تیری پھیلیں کربلا کے تپتے ذرّوں پر
نظر آتا ہی ذرّوں میں جمالِ اصغر و اکبر
منوّر ہیں ترے روشن ستارے خاک کے اندر
پہاڑوں کے قدم بھی ڈگمگا دیتے ہیں یہ محشر

مگر تھا کام تیرا ہی شہیدِ باقی و دائم
کہ تو اپنی جگہ پر تا دمِ آخر رہا قائم

بنا اسلام کی قائم ہی استحکام پر تیرے
ہزاروں رحمتیں اللہ کی اسلام پر تیرے

اگرچہ تھے ہزاروں حشر اک اک گام پر تیرے
مگر حیراں ہی آئے نظر اقدام پر تیرے
تری قربانیوں کا رنگ ہے اب تک گلستاں میں
کہ باقی ہی ابھی اسلام کا درد اہلِ ایماں میں

(۱۰۵)

اے امامِ تشنہ کام — تم پہ ہزاروں سلام
دین و ملت کے امام — تم پہ ہزاروں سلام
وہ کیا ہی تم نے کام — ہو گیا عالم میں نام
تحفۂ جنت مدام — تم پہ ہزاروں سلام
مژدۂ رحمت مقام — فائزِ خلدِ دوام
چشمۂ کوثر امام — تم پہ ہزاروں سلام
فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نورِ عین — اے مرے پیارے حسین رضی اللہ عنہ
کر لو اس دل میں مقام — تم پہ ہزاروں سلام
در کا تمہارے گدا — بندۂ گویا بھی ہے
بھر دو اس سائل کا جام — تم پہ ہزاروں سلام

ہزاروں رحمتیں اللہ کی اُن پاک اشکوں پر
ہے جو صبح کو بیہم بیادِ اکبر و اصغر
سحر کے تارے جیسے آنکھ سے آنسو بہاتے ہوں
ہی صبح کربلا کا آج تک گویا ہی منظر

مقابلۂ حق و باطل

جسمیں سیرتِ حضرتِ امام حسین علیہ السلام اور کردارِ یزید کا مقابلہ بصورتِ سکا لمہ کیا گیا ہے

(۱۰۷)

مقابلہ غلط و حق کا ہے خلافِ اُمید
کہاں حسین کی ہستی، کہاں یزید پلید
حسین دین سراپا، یزید دنیا ہے
حسین پاک و مصفا، پلید دنیا ہے
ہزار ظلم ہوئے ایک مردِ برحق پر
چلا نہ زور زمانے کا کچھ مگر حق پر
قدم کہ جادۂ حق پر تھا ڈگمگا نہ سکا
کوئی بھی زلزلہ اُس کوہ کو ہلا نہ سکا

صداقتوں کے بہت سے نشان ہوتے ہیں
کہ اِک حسین کے سو امتحان ہوتے ہیں
وہی ہی اصل جو سو آنچ میں رہے باقی
ہزار حشر ہوں پھر جانچ میں رہے باقی

حسین آئے نظر کربلا کے میداں میں
خدا نے رکھے ہیں کیا کیا کمال انساں میں
ہوا خلاف، زمیں غیر، آسماں دشمن
خدا کا دوست اِدھر ہے اُدھر جہاں دشمن

مگر نہ خوف ہے کوئی نہ کوئی اندیشہ
کھڑا ہوا ہے کوئی کوہ استقامت کا

اثر وہ رکھتا ہے یہ واقعہ حقیقت میں
کہ روح پھونک دے مردہ عروقِ ملّت میں
مگر سُنا ہی نہیں واقعہ شہادت کا
ابھی لیا ہی نہیں درس عزم و ہمّت کا
خطیب نے ابھی یہ ماجرا کہا ہی نہیں
ہمارے کان حقیقت سے آشنا ہی نہیں
ہزار حیف کہ وہ قوم پست ہمّت ہو
کہ جس کے سامنے شبّیر کی شہادت ہو

یزید کا دعویٰ اور مطالبہ

کہا یزید نے، سلطانِ ذی وقار ہوں میں
عظیم رتبہ، شہنشاہ و تاجدار ہوں میں
پناہ مانگتی ہے خلق میری قوّت سے
جہان لرزہ براندام میری ہیبت سے
زمانہ آکے جھکا تا ہی سر مرے آگے
کوئی اُٹھا نہیں سکتا نظر مرے آگے
میرے حضور میں کس کو مجال چشم زدن
کمالِ بے ادبی ہی، خیالِ چشم زدن
زبان پہ جو مری حکم ہو وہی حق ہے
نہیں ہیں جانتا اسکے سوا کوئی حق ہے
جو میرا حکم نہ مانے اُسے دکھا دوں گا
کہ نام اُس کا زمانے سے میں مٹا دوں گا
حسین حکم میں دیتا ہوں تم کو بعیت کا
اسی کو فیصلہ سمجھو تم اپنی قسمت کا
تمھیں یہ ماننا ہوگا کہ میں خلیفہ ہوں
کہ جانشین ہیں اک نائب خدا کا ہوں

ثبوت دینا پڑے گا تمھیں عقیدت کا — حلف اُٹھانا پڑے گا تمھیں اطاعت کا

ترہیب و ترغیب

حسین ورنہ تمھیں ہیں تباہ کردوں گا — سمجھ لو اچھی طرح گردِ راہ کردوں گا
تمھارا نام نہ رکھوں گا میں زمانے میں — کسی کو باقی نہ چھوڑوں گا میں گھرانے میں
نہ آکے روئیگا کوئی تمھاری غربت پر — چراغ بھی نہ جلائے گا کوئی تربت پر
نہ حکم مانے جسے ہو نہ اپنی جان عزیز — نہ ساتھ جان کے ہو اپنا خاندان عزیز

لو بات مانو بہت تم کو مال و زر دونگا — بہت غریب ہو تم کو امیر کر دونگا
حسین آؤ مرے ہاتھ پر کرو بیعت — ہے میرے ہاتھ میں دنیا کی وقعت و عزّت

حضرت امام کی تعلیم اور جواب

شہیدِ اعظمِ توحید نے یہ فرمایا — یزید اپنی حکومت سے تو ہمیں نہ ڈرا
یہاں ہے خوف کسے غیر کی خدائی کا — ہے شرک نام اسی ننگِ انتہائی کا
یزید، اور خلیفہ، نبیؐ رحمت کا — پلید اور خلیفہ نبیؐ رحمت کا
عجب ہے ظلم کہ ظلمت ہو روشنی کی جگہ — یزید بیٹھے کسی نائب نبی کی جگہ
حسین اور تری بیعت خدا کی شان ہے یہ — دلِ حسین کا کیا کوئی امتحان ہے یہ

اگر یہی ہو تو سو امتحان اور سہی
کہ میرے ساتھ میرا خاندان اور سہی

ارے اسیرِ ہوس، بندۂ خدا ہی حسین
ازل سے غیر کا قائل نہیں ہوا ہی حسین

جسے خدا نے بڑھایا وہ گھٹ نہیں سکتا
قدم حسین کا پیچھے کو ہٹ نہیں سکتا

جو راہِ حق میں مرے وہ ہزار بار مرے
جو بار بار ہو زندہ تو بار بار مرے

کہ لطفِ زیست ہی حق پر نثار ہونے میں
دلوں کے خون سے پیدا بہار ہونے میں

نہ خوفِ غیر ہی ہم کو نہ حرصِ لعل و گہر
حسین طالبِ دنیا ہی اور نہ بندۂ زر

حسین درس زمانے کو دینے آیا ہے
ازل سے ساتھ دلِ حق پرست لایا ہے

ہمیں بتانا ہی ایمان کس کو کہتے ہیں
شہید کس کو مسلمان کس کو کہتے ہیں

یہ اپنی شان سے ناداں ڈرا رہا ہی کسے
یہ اپنی قوت و دولت دکھا رہا ہی کسے

مرے لیے تری ہستی مزارِ دنیا ہے
تو اور کچھ نہیں لیکن غبارِ دنیا ہے

نگاہِ اہلِ حقیقت غبار سے نہ رکے
بڑھے جو دشت میں وہ خار سے نہ رکے

یزید ہوش ہیں آجا بھٹک رہا ہے تو
کدھر خیال ہے تیرا بھٹک رہا ہے تو
سرِ حسین، درِ غیر پر ، معاذ اللہ
بجز خدا کے کسی پر نظر، معاذ اللہ
زمانہ سر کو ہمارے جھکا نہیں سکتا
کوئی بھی غیر کو سجدہ کرا نہیں سکتا

یہ کیا کہا کہ مٹا دیگا تو مری ہستی
خبر نہیں ہے تجھے اے خرابِ بد مستی
سفینہ اہلِ حقیقت کا غیرِ فانی ہے
کہ موجِ قلزمِ توحید جاودانی ہے

یزید جتنا زمانہ گذرتا جائیگا
حسین اُتنا جہاں میں اُبھرتا جائیگا
کہ رفتہ رفتہ حقیقت جہان بنتی ہے
زمین بنتی ہے، پھر آسمان بنتی ہے

زمین پر ہمیں توحید کا نشان سمجھ
بلند اپنی نگاہوں سے آسمان سمجھ
کمند پھینکنا بیکار آسمانوں تک
پہونچ نہیں ہے شیاطیں کی ان جہانوں تک

کہا ہے تو نے کہ روئیگا کون غربت پر
چراغ کون جلائیگا میری تربت پر
ہماری قبر بھی ہوگی چراغ عالم کا
کریگی خاک بھی روشن دماغ عالم کا

میں جانتا ہوں کہ مجھکو شہید ہونا ہی / گواہ حق کا مجھے چشم دید ہونا ہے
وہ سب ہی علم میں جو کوئی کہہ نہیں سکتا / کہے جو کوئی تو بے تڑپے رہ نہیں سکتا
وہ سب گوارا ہے لیکن نہیں ہی یہ منظور / حسین خلق میں مذہب فروش ہو مشہور
حرم کو فخر ہو جس پر وہ ننگِ دیر بنے / حسین ہو کے حسین اور غلامِ غیر بنے !!

نبی نے بھول ہمیں اپنا اس لیے ہی کہا / کہ سارا رنگ ہے ہم میں اُسی حقیقت کا
ہماری نظروں میں تنویر مصطفےٰ کی ہی / ہمارے سامنے تفسیر والضحےٰ کی ہی
جہاں کو ہم سے ہی اُمید رہنمائی کی / توقّع رکھتا ہی تو کفر انتہائی کی

یہ کہدیا ہے کہ حجت تمام ہو جائے / جو بات حق ہی وہ خورشیدِ بام ہو جائے
حسین آیا ہی دنیا میں بہرِ قربانی / کہ آشکارا ہو رنگِ کمالِ انسانی
لٹا کے راہِ خدا میں تمام گھر اپنا / نثار کر کے تہِ دل سے ہر گھر اپنا
ہزار جان سے قربانِ کبریا ہو کر / ہر ایک سانس میں اللہ پر فدا ہو کر
بہتّر زخم عزیزوں کے دیکھ کے دل پر / خدا کا شکر ادا کر کے پھر تہِ خنجر
یہاں دکھانا ہے اسلام کا کمال ہمیں / جہاں کے سامنے لانا ہے وہ مثال ہمیں

جو ایک دائمی نقشہ ہو راہ و منزل کا
ہمیشہ پائے جسے آگے قافلہ دل کا

یزید اسر ترے آگے نہو گا خم میرا
پہاڑ اپنی جگہ پر ہے ہر قدم میرا
کبھی نبی کا تجھے جانشین نہ مانونگا
میں آسماں تجھے گر دز میں نہ مانونگا
سفینہ نوح کا طوفاں سے ڈر نہیں سکتا
کبھی بھنور، سرِ ساحل اُبھر نہیں سکتا
ارے تلاطمِ فانی، یہ دل بساحل ہے
رسائی تیری یہاں تک بہت ہی مشکل ہے

بنا ہے لا اِلٰہ کی، میرا استحکام
ہے کس خیال میں نافہم! کر تو اپنا کام
مرا ثبات ہے اسلام کا وہ مستقبل
دکھایا جائیگا جس میں جہاں کو میرا دلٗ
ہمیشہ راہِ خدا میں مجاہدانِ جواں
مری مثال سے سمجھیں گے معنیٔ ایماں

بنے گا رہبرِ عالم ہمارا نقش قدم
اُدھر کو آئیں گے محرم، جدھر گئے ہیں ہم
جہاں میں معرکہ جب ہوگا حق و باطل کا
حسین دل ہی جھکائیگا سرِ مقابل کا
ہمارے خون کا ہر قطرہ رنگ لائیگا
ہزاروں حقّ صداقت کے گل کھلائیگا
ہمارے خون سے پیدا بہار پھر ہوگی
زمینِ تشنۂ حق، لالہ زار پھر ہوگی

فریبِ خوردۂ دولت ابھی کس خیال میں تو
حسین اور تری بیعت ابھی کس خیال میں تو

ہمارے پیشِ نظر، لا الٰہ الا اللہ
ہمیں دکھاتا ہے تو اپنی شانِ حشمت و جاہ

کوئی ہو، غیر کا کوئی اثر نہیں ہم پر
تبانِ دیر کا کوئی اثر نہیں ہم پر

نہ ہم سے پوچھ کہ دنیا میں تیری بات ہے کیا
یہ ہم سے پوچھ کہ دنیا کی کائنات ہے کیا

غرض کہ قدرِ مراتب بقدرِ ایماں ہے
نہ سر بلند ہو کیوں منصبِ مسلماں ہے

خدا کی راہ میں قرباں ہونا سہل نہیں
ارے یزید، مسلمان ہونا سہل نہیں

مقابلہ نہیں گویا یہ راز دانی ہے
زبانِ حال حقیقت کی ترجمانی ہے

خودی و بیخودی
خودشناسی و قربانی

(۱۰۸)

ہے خودی، جامِ کیفِ نفسانی
بیخودی، موجِ فہمِ انسانی
ہے مگر اقتضائے ایماں اور
عملی خودشناسی، قربانی

(۱۰۹)

ہو نہ منکر براہِ نادانی شاہد اس پر ہی نصِ قرآنی
صاف آیا ہی، جَاهِدُوا فِينَا لازمی ہے جہادِ امکانی

(۱۱۰)

سُن! خودی میں یزید ڈوبا تھا بیخودی میں تھے، عقل کے بانی
عَملاً خودشناس تھا وہ حُسینؑ جس کا تھا ایک خون اور پانی

(۱۱۱)

خودشناسی جہانِ باطل میں دل کا ہے رازدارِ حق ہونا
راہِ حق میں لٹا کے تن من دھن عَملاً جانثارِ حق ہونا

(۱۱۲)

ہر مجاہد تھا خودشناس مگر خودشناسی کی انتہا بھی ہے
اللہ اللہ شہیدِ حق کے لئے آئینہ، دشتِ کربلا بھی ہے

(۱۱۳)

دلِ قرباں نہیں اِسی حد تک فہم عالم سے ماورٰی بھی ہی
دونوں عالم سے ہاتھ اُٹھا کے کہا دِل کا کچھ اور اقتضا بھی ہی

(۱۱۴)

خود نگر، نفس کی فضاؤں میں
بادہ کش، روح کی ہواؤں میں
خود شناسی حسینؑ ہی کی ہے
محوِ حق، لاکھ کربلاؤں میں

(۱۱۵)

خود شناسی و منزلِ توحید
ایک ہی ہے اگر ہو حاصل دید
راستا دید کا ہے قربانی
تہِ سجدہ ہوئے حسینؑ شہید

(۱۱۶)

ہے خودی جاہ و مال کا ساغر
بیخودی کیف و حال کا ساغر
خود شناسی، بہ دورِ قربانی
خونِ دل میں وصال کا ساغر

(۱۱۷)

خودی کو شمعِ ہدایت سمجھ نہ پروانے!
خود اس چراغ کے نیچے ہے داغ حرماں کا
بجھادے آتشِ نمرود کو جو نورِ خلیل
اُسی سے ہوتا ہے روشن چراغ ایماں کا

طریقۂ خود شناسی

(۱۱۸)

خود شناسی کا طریقہ دلِ شبیرؑ سے پوچھ
کس طرح راز کو پہونچا تہِ شمشیر سے پوچھ
کیا ہر ایک تیر میں پایا یہ اک تیر سے پوچھ
تیر خاموش سہی اصغرِ بے شیر سے پوچھ

پہلے ہر تیر کو سینے سے لگائے کوئی
دِل میں پھر راستا عرفان کا پائے کوئی

رب کو رب مان لیا ہی تو نہ کچھ غیر کو مان   خود کو پہچان لیا ہی تو نہ کچھ غیر کو مان
دِل سے پیمان لیا ہی تو نہ کچھ غیر کو مان   حق کو حق جان لیا ہی تو نہ کچھ غیر کو مان

سامنے باطل اگر آئے ، مقابل ہو جا
بارشِ تیغ و سناں میں ہمہ تن دِل ہو جا

مسجدوں تک نہیں محدود ہی اقرار یہاں   عملاً چاہیے توحید کا اظہار یہاں
نعرۂ حق تو لگاتے ہیں سرِ دار یہاں   دبنا باطل ہی سے، خود حق کا ہی انکار یہاں

دار سے اونچا ہوا جب سرِ شبّیر دو چند
آسمانوں میں ہوا نعرۂ تکبیر بلند

آنکو معرکۂ تیغ و سناں میں پہچان   جوہرِ ذات کو ہر حشرِ جہاں میں پہچان
یعنی قربانی کے ہر سیلِ رواں میں پہچان   ساحلِ زیست کو خونِ دل و جاں میں پہچان

پورا اُترے جو کسوٹی پہ وہی سونا ہے
خود شناس اِس طرح انسان تجھے ہونا ہے

---

(۱۱۹)

خیابانی خود شناسی دین کے شیروں میں لاتی ہے
عمل سے جو نہ ثابت ہو وہ علم ہیچ، کیا شے ہے
جہاں کے فلسفی فکروں کی دنیا میں ہیں سرگرداں
یہاں سینوں کے اندر اور کوئی ماوری شے ہے

شہادتِ حضرتِ علی اصغر علیہ السلام

(۱۲۰)

چہرۂ باطل مقابل حق کے آسکتا نہیں
نور سے خفاش چشم آنکھیں ملا سکتا نہیں
سامنے خورشید کے نظریں اٹھا سکتا نہیں
مدعا یہ ہی فروغ اپنا دکھا سکتا نہیں

ہو اگر غالب سحر کے نور پر تاریک رات
پھر تو رہ سکتا نہیں باقی نظامِ کائنات

نور و ظلمت کا تقابل واقعاتِ کربلا
اِس طرف تنہا حسین اور اُس طرف فوجِ جفا
اِس طرف خورشیدِ حق اور اُس طرف باطل نما
اِس طرف شمعِ حرم اور اُس طرف ظلمت کدہ

کُور دل اپنے لئے پھرتے ہیں ظلمت کے نشاں
چہرۂ شبیر سے روشن زمین و آسماں

بالعمل تفسیرِ قرآں سامنے آنے کو ہے
اہلِ دنیا کی نظر سے پردہ اُٹھ جانے کو ہے
مژدۂ انّا فتحنا دین پھر پانے کو ہے
ظلم پر اسلام کی حقانیت چھانے کو ہے

وہ سماں دیکھیگی دنیا جو نہ دیکھا تھا کبھی

نور سے ہو گی زمیں روشن شہادت گاہ کی

وہ ستارا امن کرب و بلا میں آئیگا
نور جس کی قبر پر نور سما برسا ئیگا
شکل جس کی دیکھکر خود چاند بھی شرمائیگا
رنگ جس کو دیکھکر مہرِ فلک رہجا ئیگا

چاندنی جب اُسکی تربت کے سرہانے آئیگی
نور کے پھولوں کی چادر ہی چڑھانے لائیگی

جب نظر آئیگی شب میں اُسکی تربت بے چراغ
جگنو آئیں گے جلانے ننھے ننھے سے چراغ
حشر تک روشن رہینگے ماں کے اشکوں کے چراغ
ذرے ذرے سے نمایاں تا سحر ہوں گے چراغ

ہوگا وہ روشن ستارہ اُسکی چشمِ پاک کا
ذرہ ذرہ جس کے در کا آفتاب افلاک کا

رات بھر برسائیگی شبنم گہر اُس کے لئے
صبح کو موتی چُنے گی خود سحر اُس کے لئے
لائیگی کوثر سے ساغر چشمِ تر اُس کے لئے
بھیجیگی سوغات اُمت عمر بھر اُس کے لئے

رات کی تاریکیاں اور صبح کا رنگِ شفق
روز ہی لکھیں گے صبح و شام غم کے دو ورق

صبح عاشورہ

آج یہ بے نور سی ہی کیوں سحر، کیا بات ہے؟
آسماں پر صبح کے تارے ہیں لیکن رات ہے

باب ۲۔ محمد رسول اللہ

دشت کے خاموش لب پر کس لئے ہیہات ہے | صبح عاشورہ عجب تصویرِ احساسات ہے

سر جھکائے نکلا ہے کچھ اس طرح خورشید آج
آج گم ہوگا زمیں میں آسماں کے سر کا تاج

سورۂ الحشر کا ہے آئینہ ساری فضا | ذرّے ذرّے میں نظر آتی ہے شانِ کبریا
دیکھکر چاروں طرف صبح قیامت رونما | درمیاں سے شاہد و شہود کے پردہ اُٹھا

سب شہیدوں کی نظر میں ہے شہادت سامنے
آئینے کی طرح ہے روئے حقیقت سامنے

آج ممکن ہے کہ ہل جائیں زمین و آسماں | آج ہو سکتا ہے تھرّا جائے بنیادِ جہاں
آج ناممکن نہیں کانپ اُٹھے سب کون و مکاں | ہو تو سکتا ہے نظر آئیں قیامت کے نشاں

خونِ ناحق آج ہوگا اصغرِ بے شیر کا
کربلا میں امتحاں ہوگا دلِ شبّیر کا

آج پیاسے کے گلے سے تیر کھینچا جائیگا | سینے سے باہر دلِ شبّیر کھینچا جائیگا
کس طرح یہ تیر اے تقدیر کھینچا جائیگا | تیر سے خونِ دلِ بے شیر کھینچا جائیگا

قربِ شہ رگ آج دیکھیں گے فرشتے آنکھ سے
نظر آئیں گے خدا و دل کے رشتے آنکھ سے

صبحِ عاشورہ نہیں ہے، یومِ قربانی ہے آج　　امتحانِ مادر لئے فہمِ انسانی ہے آج
انتہائے رفعتِ معراجِ ایمانی ہے آج　　نحرِ اسمٰعیل کی، تکمیلِ امکانی ہے آج

یعنی اصغر کو فدائے حق کرینگے آج امام
خلق کو پھر آشنائے حق کرینگے آج امام

آج پھر اسلام کا حاصل بتایا جائیگا　　آج پھر آنکھ سے پردہ اُٹھایا جائیگا
آج پھر توحید کا رستا دکھایا جائیگا　　سامنے پھر آیتِ والنحر کو لایا جائیگا

آج کا دِن خاص ابراھیمی قربانی کا دِن
آج کا دِن، بالعمل تفسیر قرآنی کا دِن

خیمہ سے باہر امام آئے لئے بے شیر کو　　تین دن گذرے ہیں پیاسے اصغرِ بے شیر کو
یہ دکھانا تھا کسی سفّاک دِل کے تیر کو　　رونما اس طرح ہونا تھا دلِ شبّیر کو

دونوں ہاتھوں میں لئے تفسیرِ قرآنِ مُبیں
حق ادا کرتے ہیں حجت کا امامُ المسلمیں

یہ دیا اس کا جواب اِک سنگدل کے تیر نے　　بے سسکی جان دیدی اصغرِ بے شیر نے
حق ادا جب کر دیا حق کا دِلِ شبّیر نے　　دوسرا صفحہ اُلٹکر کاتبِ تقدیر نے

لکھدیا اِسلام زندہ باد تا روزِ قیام

اے شہیدِ غیر فانی دائمی تجھ پر سلام

لاشِ اصغر گود میں، ہو، خونِ اصغر میں ہے تر
لاالٰہ وردِ لب ہے، دل کے ٹکڑے دیکھکر
کیوں نہ ہو، خود ہیں سراپا مظہرِ خیر البشر
سینے میں حمزہ کا دل ہے، دل میں حیدر کا جگر

ہر قدم پر ہے نظر بنیادِ استحکام پر
حرف آسکتا نہیں ہے رفعتِ اسلام پر

پرتوِ ماہِ مدینہ و ضیائے کربلا
دیکھکر حیران ہے جس کو سمائے کربلا
اشک جس پر خود بہائے کل فضائے کربلا
یا خدا وہ اور دشتِ پُر جفائے کربلا

کیوں نہوں ٹکڑے جگر کے، کیوں نہ دل ہو پاش پاش
ہے بے گور و کفن ہے تین دن اصغر کی لاش

اے امامِ اُمت و دین و امیرِ کارواں
تو ہے زندہ آجتک تیرے مقابل بے نشاں
تشنگی سے تیری پیدا کوثر و تسنیم جاں
دیدۂ اُمت سے تیری یاد میں دریا رواں

تیری قربانی سے قائم ہے بنا اسلام کی
بھول سکتی ہی نہیں تجھکو فضا اسلام کی

امام کا سجدہ

(۱۲۱)

ازل کے روز سے سارا جہاں تھا سجدے میں
ہر ایک ذرہ جہاں تھا، وہاں تھا سجدے میں

مگر ادا نہوا تھا ابھی وہ اک سجدہ
وہ، جس میں راز تھا مقصودِ آفرینش کا

بلند ابھی نہوئی تھی جبینِ مشتِ غبار
ابھی نہ خاک سے ابھرا تھا زندگی کا شرار

پھر اس کے بعد جو چمکی حیات کی بجلی
ہر ایک عنصرِ ہستی سے زندگی تڑپی

ابھر کے ذرّے ستارے بنے، ستارے فلک
ترقی ہی نظر آتی ہے عرشِ اعلیٰ تک

بلندیوں کی رہی جب نہ انتہا کوئی
تو کہہ گیا یہ سرِ عرش واقعہ کوئی

خدا کا آدمِ خاکی، خدائی آدم کی
مگر یہ حد بھی نہیں انتہائی آدم کی

دکھایا اب وہ خدا نے جہاں کو سجدۂ پاک
نظر کے سامنے لایا جو معنئ لولاک

اعادہ پھر اُسی سجدہ کا کربلا میں ہوا
ستارہ جس سے تھا چمکا جبینِ خلقت کا

وہ اس لئے کہ کھلے آنکھ غافل اُمت کی
نظر سے دیکھ لے معراج اپنی رفعت کی

عجیب تھا وہ امامِ حسین کا سجدہ
سرِ شہید کو برچھی سے جب اٹھایا گیا

زمینِ سجدۂ پاک اس قدر بلند ہوئی
کہ جلوہ گاہِ سرِ عرش کی جگہ لے لی

سرِ شہید کا واللہ ماجرا تھا انیا
ادھر گلے سے جدا تھا اُدھر گلے سے لگا

بلند سجدۂ عالی بہ منزلِ معراج
رجبینِ اُمت و ملّت کا اختر و سرتاج

---

(۱۲۲)

جو ہو چکے تھے ادا کربلا کی راہوں میں
ادا نہ ہو سکے وہ سجدے خانقاہوں میں
وہاں نیاز کی معراج تھی تہِ خنجر
سرِ نماز یہاں جنتیں نگاہوں میں
وہاں شہود کا رستا، حقیقی قربانی
یہاں نظر ابھی تاویل ہی کی راہوں میں
وہاں تھی آگ کی مانند ریت جلتی ہوئی
یہاں سکون کا احساس سجدہ گاہوں میں
وہاں عمل تھا، یہاں علم وہ بھی تاویلی
صلات و نحر کے معنی نہاں نگاہوں میں
وہ سجدے ہی نہیں بھولے قافلے والے
حقیقی سجدوں کی منزل نہیں نگاہوں میں
اسی سبب سے دلوں کی ہیں مسجدیں ویراں
تباہیوں کے سوا کیا ہی، ہم تباہوں میں

اسلام کی نماز

(۱۲۳)

آغاز نماز

بہ تکبیر اولیٰ

عظمتِ واحد میں گم، اللہ اکبر کی صدا
دونوں عالم سے اُٹھا ہاتھ جبکی ابتدا

رکوع

حکم پا کر سر جھکا لینا رہِ تسلیم میں
اپنی ہستی کو مٹا لینا رہِ تسلیم میں

سجدہ

قرب کی منزل ہی سجدہ، دید ہوتی ہے یہاں
اصل ہیں قربانیوں کی عید ہوتی ہے یہاں

مشاہدہ

پردے اُٹھ جاتے ہیں خود، سجدہ ادا ہوتا ہے جب
ہمہ تن انساں حضوری میں فنا ہوتا ہے جب

نمازِ امام ، امامِ نماز

ہے امامِ دین ہی اُمت کی نمازوں کا امام
یاد رکھیں گے ہمیشہ شمع کا پروانے نام

امام کی تکبیر اولیٰ

ہاتھ اوٹھا کر دونوں عالم سے کہا شبیرؑ نے
دونوں عالم کو کیا حق پر فدا شبیرؑ نے

امام کا رکوع

حکم پاکر سر جھکایا یوں رہِ تسلیم ہیں
اپنی ہستی کو مٹایا یوں رہِ تسلیم ہیں
غلغلہ تھا آسمانوں میں دلِ شبیر کا
راہ سے اندازہ کرلے منزلِ شبیر کا

امام کا سجدہ

قرب کی منزل ہیں سجدہ بھی کیا ہے یوں ادا
منزلِ معراجِ مومن کی ہے جس پر انتہا
ملتِ غافل سمجھ اسلام کی ہے یہ نماز
اس سے فرمایا گیا تھا غازیوں کو سرفراز

سوز

(۱۲۴)

نورِ احمد سے منور ہی نگینہ میرا
سوزِ شبیر سے معمور ہے سینہ میرا

دردِ اسلام میں ہیں آنکھ سے آنسو جاری
ہی رواں چشمۂ کوثر میں سفینہ میرا

ذرّہ راہِ شہنشاہِ دو عالم میں ہوں
کعبہ میرا ہی، حرم میرا، مدینہ میرا

بھر دئے جاتے ہیں دامن میں ستارے میرے
نور کے در سے مقرر ہے مہینہ میرا

والضحیٰ پڑھتے ہیں ہر روز سحر کے آنسو
وردِ واللیل ہی، ہر سوزِ شبینہ میرا

الحمد کہ دل میں ہی حدیثِ ثقلین
آل و قرآں کے خزائن ہیں، خزینہ میرا

وصف صاحبِ معراج ہوں جان و دل سے
رفعتِ ہفت سموات ہی، زینہ میرا

ناز مجھکو درِ اقدس کی جبیں سائی پر
ہی شرف، مدحتِ سرکارِ مدینہ میرا

اہلِ بیتِ نبوی پر ہو درودِ بے حد
کشتیٔ نوح کی مانند، سفینہ میرا

کہدے، سرمایۂ دِل اُنکی عطائیں گویا
فیض سے جن کے کھُلا ہے درِ سینہ میرا

(۱۲۵)

درودِ اقدسِ گلزارِ پنجتن لے جا
یہیں سے ساتھ میں فردوس کے چمن لے جا

اُجالا جس کے تصدق سے ہے دو عالم میں
دِل اپنے ساتھ میں وہ شمع انجمن لے جا

تجھے بلا ہو جو آلِ عبا کے دامن سے — وسیلے کیلئے وہ تارِ پیرہن لے جا
وہ سوزِ سینہ پہ درد ہو کہ داغِ دل — برائے راہ کوئی شمعِ ضو فگن لے جا
ہے مشعلِ رہ منزل تو دین و دل گویا
غمِ حسین و رہِ اسوۂ حسنؑ لے جا

(۱۲۶)

اپنی منزل سامنے وہ کارواں دیکھا کیا — ہر قدم پر جو شہادت کے نشاں دیکھا کیا
کیوں زمانہ خونِ طفلِ بے زباں دیکھا کیا — کیوں زمیں ساکت رہی کیوں آسماں دیکھا کیا
رکھ کے خنجر کو گلے پہ چہرۂ شبیرؑ کو — دیر تک قاتل برائے امتحاں دیکھا کیا
چہرۂ شبیرؑ تھا اک آئینہ اُس نور کا
راہ جس کے دید کی سارا جہاں دیکھا کیا

(۱۲۷)

جو سوزِ حقیقی ہے کبھی کم نہیں ہوتا — سرِ شمع کے شعلے کا کبھی خم نہیں ہوتا
وہ گرد جو جھک جائے زمانے کے قدم پر — مومن کبھی شرمندۂ عالم نہیں ہوتا

(۱۲۸)

دامانِ کربلا میں ہیں کچھ مصطفیٰؐ کے پھول — کچھ مصطفیٰؐ کے پھول ہیں کچھ مرتضیٰؑ کے پھول

قطرے لہو کے ٹپکے جو اصغر کے زخم سے
تھے دامنِ حسین میں صبر و رضا کے پھول
خود جس چمن کو سینچا ہی خونِ حسین نے
یارب نہ جز و غیر ہوں اُسکی فضا کے پھول

(۱۲۹)

موحد ہو نہ قائل ماسوٰی کا
یہی ہے مدعائے لَآ اِلٰہ
شہیدِ کربلا کی استقامت
اساسِ دین بنائے لَآ اِلٰہ
خدا کی کے اُدھر دعوے ہزاروں
ادھر بھی ایک ندائے لَآ اِلٰہ
تصدق یہ اُسی کا ہے کہ ابتک
دلوں میں ہی نوائے لَآ اِلٰہ

(۱۳۰)

جب قطرہ قطرہ دریا ہو تو قدر سمندر کی جانے
ہر آنسو جب تک آنسو ہے کیا تجھکو ساقی پہچانے
اے شمعِ جمالِ بزمِ نبی، اے نورِ نگارِ چشمِ علی
رب ہمکو نظر دے، تجھکو ابھی پہچانے نہیں ہیں پروانے
لیتے ہیں غلامانِ دنیا کس منھ سے تیرا نام حسین!
آزادِ دو عالم ہی ہوتے، ہوتے جو تیرے دیوانے
اسلام کی بنیادیں تو نے قربانیِ دل پر قائم کیں
تو مقصدِ قربانی ہی کو آیا تھا مکمل فرمانے

(۱۳۱)

رہینِ منتِ دنیائے غیر، پروانے
کبھی نہ دہر میں اُس شمعِ انجمن کے رہے
کہا حسین نے آغوشِ حق میں پہونچے جب
شہید ہوکے نہ محتاج ہم کفن کے رہے

خودداریٔ اسلام

(۱۳۲)

راہِ تسلیم و رضا داری ہے　　اِسلام تو آئینِ وفاداری ہے
خود کو کیا جاتا ہے خدا پہ قرباں　　خودداریٔ اسلام، خداداری ہے

حیاتِ جاوید

(۱۳۳)

جینا ہے تو جینے کا سلیقہ سیکھو　　مرنا ہے تو پھر جان کا دینا سیکھو
کس طرح جیا کرتے ہیں دیکھ جائیں　　اسلام سے دونوں کا طریقہ سیکھو

اِسلام دلیروں کا مذہب

(۱۳۴)

قرآن دلوں کا راہنما　　اِسلام دلیروں کا مذہب
لاریب جہادِ اسلامی　　ہے حق کے شیروں کا مذہب
کیا بزدل اُس کی قدر کریں　　جو دین ہو شیروں کا مذہب

اِسلام دلیروں کا مذہب

وہ قوم جو فاتح عالم تھی　　عالم سے تھا اونچا جس کا علَم
وہ جس کے جھنڈے کے نیچے　　تھی گردن ہر افلاک کی خم
اسلام اُسی کا مذہب ہے　　شاہد ہے تاریخ عالم

اسلام دلیروں کا مذہب

اسلام کو وہ کیا پہچانے
مفتوحِ جہاں جو ہستی ہو

اِسلام کو وہ دل کیا جانے
جو خلق میں محوِ پستی ہو

قرآن کو قرآں کیا مانے
جو پستی ہی کی بستی ماہو

اسلام دلیروں کا مذہب

ثابت یہ ہوا اِس سے اے دل
اسلام کے ہم لوگ اہل نہیں

قرآں ہی نور کا آئینہ
بے نور ہمارے دِل کے نگیں

محکومِ غیر ہو ، نا ممکن
دنیا میں اُمّتِ سرورِ دیں

اسلام دلیروں کا مذہب

قرآنِ پاک و ملّتِ حاضرہ

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاۤءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ (الاسراء)

(۱۳۵)

کتنا ہی کوئی جوہرِ نایاب ہو، مگر
ہوتا ہی سنگریزہ ہی جاہل کے ہاتھ میں

قرآن اِک صحیفۂ اسرارِ سرمدی
لیکن ہے آج ملّتِ غافل کے ہاتھ میں

(۱۳۶)

کہتے ہیں واقعات یہ عاد و ثمود کے — دنیا میں دو نظام نہیں ہست و بود کے
توحید جس نے چھوڑی جہاں میں وہ مٹ گیا — قرآں سے پوچھ راز عدم اور وجود کے

(۱۳۷)

پڑھ نور کی کتاب کو، اقرا سے لے سبق — پہلا سبق خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقْ
اُس بوند سے لہو کی ہے تخلیقِ خود تری — ہیں غرق جس کے بحرِ معانی میں اہلِ حق

(۱۳۸)

تفسیر میں عَلَقْ ہی کی فرماتے ہیں علی — "جرمِ صغیر آپ کو سمجھا ہوا ہے تو
مخفی ہے تیری ذات میں اک عالمِ کبیر" — بحرِ حیات کا ہے گہر، قطرۂ لہو

(۱۳۹)

الحمد ابتدا ہے تو والنّاس انتہا — نظروں کے سامنے ہے ترے کامل آئینہ
پہچان اپنے آپ کو اِس آئینہ میں تو — ای ناشناسِ منزل انجام و ابتدا

(۱۴۰)

مُردوں کو جس نے زندہ جاوید بنا دیا — قرآن آج کیا وہ مسلمانوں میں نہیں
قرآن ہی وہی مگر افسوس آج کل — وہ درس دینے والے ہی انسانوں میں نہیں

تفسیرِ حیات

(۱۴۱)

حال سے دیکھ شکلِ استقبال　　کر نہ ماضی سے حال کی تفسیر
مظہرِ آیت ہو فی الشّان　　ہر نفس ہو، کمال کی تفسیر

تلاوتِ قرآنِ پاک

(۱۴۲)

ای ناظرِ صحیفۂ اسرارِ کائنات　　تجھکو اگر مطالعۂ فطرت کا شوق ہی
ساحل کی جستجو ہی اگر موجِ روح میں　　دل میں ترے شہودِ حقیقت کا شوق ہی
یا راز دار ہونا ہے سرِّ حیات کا　　یا موجِ دل میں اپنی نہایت کا شوق ہی
یا ربط آنسوؤں کو ہی موجِ جمال سے　　یا چشمِ تر میں، کوثرِ رحمت کا شوق ہی
مطلوب ہے سماعتِ تسبیحِ کائنات　　یا دانشِ لسانِ حقیقت کا شوق ہی
یا کرنا چاہتا ہی ستاروں سے گفتگو　　فطرت تری خلیل کی فطرت کا شوق ہی
یا چاہتا ہی پردہ اُٹھے درمیان سے　　بے پردہ اِک نظارۂ قدرت کا شوق ہی
اپنی حقیقتوں کی طلبگار ہے، نظر　　یا دیدِ آفتابِ بصیرت کا شوق ہی

اسباب سوچتا ہے زوال و عروج کے — قوموں کے علم پستی و رفعت کا شوق ہے
یا چاہتا ہے دیکھنا ہستی کے دونوں رُخ — یا فہمِ رازِ دہر و قیامت کا شوق ہے
یا ارتقائے نامتناہی ہے زیرِ غور — فہمِ مراحلِ رہِ خلقت کا شوق ہے
یا چاہتا ہے جاننا مقصودِ زندگی — یعنی وقوفِ مقصد و غایت کا شوق ہے
یا خود شناس ہونا ہے تجھکو جہان میں — یا با عمل شہودِ حقیقت کا شوق ہے
حاصل یہ ہے کہ بننا ہے انسان اگر تجھے — اللہ کی اس جہاں میں نیابت کا شوق ہے

مثلِ سحر تلاوتِ قرآن پاک کر
پائے گا اشک میں سو راز کے گہر

سرکارِ مدینہ کے حضور میں

(۱۴۳)

اے بحرِ کرم ابرِ گہربارِ مدینہ — خورشیدِ دو عالم، مہ انوارِ مدینہ
سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ
منگتا بھی تری راہگذر میں شہ لولاک — بیٹھا ہے سرِ راہ لئے دامنِ صد چاک
سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

رحمت سے تو اس دامنِ پُر داغ کو بھر دے
معمور مرے سینے کو انوار سے کر دے

سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

گویا ہے رہِ پاک کا اک ادنیٰ بھکاری
رحمت تری بے پایاں ہے اے رحمتِ باری

سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

میں نور سے آنکھوں کی ضیا مانگ رہا ہوں
بیداریِ ملّت کی دُعا مانگ رہا ہوں

سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

ہر خاک کے ذرّے میں طلب نورِ سما کی
ہے لاج ترے ہاتھ میں دامانِ گدا کی

سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

منگتا کوئی در سے ترے خالی نہیں آیا
محروم کبھی کوئی سوالی نہیں آیا

سرکارِ مدینہ، مرے سرکارِ مدینہ

بابِ سوم، انشراحِ دِل

(۱۴۴)

اِک کلی تو سحر سے کھِلتی ہے　　ایک رنگِ نظر سے کھِلتی ہے
ہے مگر انشراحِ دِل کچھ اور　　یہ کلی تو اُدھر سے کھِلتی ہے

ساقی!

(۱۴۵)

پھر نور و سرور کی بہاریں آئیں ۔۔۔ پھر چھائی گھٹائیں پھر پکاریں آئیں
پھر برقِ جمال چمکی آئے بادل ۔۔۔ پھر ابرِ بہار بن کے چھائے بادل
پھر جھلکی نگاہوں میں ضیائے ساقی ۔۔۔ پھر آیا نظر نقاب اُٹھائے ساقی
پھر جلوہ بدوش ہیں نگاہیں دِل کی ۔۔۔ پھر میکدہ بنگئی ہیں راہیں دِل کی
پھر دل کے چھپے ہوئے نظارے چمکے ۔۔۔ پھر آنکھوں میں صبح کے ستارے چمکے
پھر صبح سے اشک، بنکے گوہر نکلے ۔۔۔ پہلو سے دلوں کے جام و ساغر نکلے
پھر جنّت و خلد کی ہوائیں آئیں ۔۔۔ میخانہ بکف نظر فضائیں آئیں
صہبائے جمال و دورِ جام و مینا ۔۔۔ ساقی کے کرم سے ہی سفینہ، سینہ
ہر سانس کے ساتھ آنے والے آجا ۔۔۔ ای راہِ نظر دکھانے والے، آجا
نادیدہ ابھی ہے دید دل کی ساقی! ۔۔۔ ہو تیرے کرم سے عید دل کی ساقی!
ذرّوں کو نگاہِ آفتابی دیدے ۔۔۔ نظروں کو شہودِ بے نقابی دیدے
قطروں میں بہا دے پھر سمندر اپنے ۔۔۔ پیاسوں میں لُٹا دے پھر سمندر اپنے
موجوں کے تلاطموں کا ساحل ہوجا ۔۔۔ پھر سینہ فگاریوں کا حاصل ہوجا
محدود بہت ہیں ظرف دل کے ساقیؔ ۔۔۔ بے پایاں بنا دے دل سے مل کے ساقی!

مدت سے طاق میں ہیں جام و ساغر رکھے
میخانوں میں بند ہیں مقدر رکھے
پھر قسمتیں کھول دے کرم سے اپنے
بخششیں لکھ دے پھر قلم سے اپنے
دامن مرا موتیوں سے بھر دے ساقی!
اشکوں کو جہاں کے گہر دے ساقی!

مقبول ہوئیں دعائیں گویا تیری
جا سُن لی گئی پکار منگتا تیری

نور و سرور

(غزلیات)

(۱۹۴۶)

صبحدم پھر دل کا دروازہ کُھلا
پھر نظاروں کیلئے رستا کُھلا

پھر حبابِ موج سے دریا کُھلا
بادہ کش سے، ساقیٔ صہبا کُھلا

پھر اُٹھا کے پردہ، درِ پردہ کُھلا
راز، پردے میں نظر آیا کُھلا

مسکرا کر پھیر لی ساقی نے آنکھ
جب تبسّم سے کوئی عقدہ کُھلا

پردے سے باہر ہی بے پردہ جمال
شمع میں ہی رنگِ پروانہ، کُھلا

دِل رہا برسوں تک اشکوں میں خموش
جب اُٹھا پردہ تو دیوانہ کُھلا

نیند کی حد تک ہی دل کی داستاں
ہی فسانہ عالمِ دنیا کُھلا

رُخ ہی نامحدود ساحل کی طرف
آنکھ میں ہر اشک سے دریا کُھلا

دیکھکر ساقی کی آنکھوں کی طرف — رازِ دورِ ساغر و مینا کھُلا
ڈھونڈھتے عالم میں اے دل آپکو — رکھدیا ہی سامنے نقشہ کھُلا
محو ہی اشکِ سرِ مژگاں میں دل — سامنے ہی رازِ میخانہ کھُلا
جھلکا جب آنسو کسی کو دیکھ کر — نظر آیا صبح کا تارا کھُلا
جام و مینا میں بہ دورِ انعکاس — جلوۂ ساقی تھا سر تا پا کھُلا
خود شناسی خود پرستی تو نہیں — دے رہا تھا آئینہ دھوکا کھُلا
بے نقابی میں بھی تھے سو سو حجاب — راز اُتنا ہی چھپا، جتنا کھُلا

اُس کو گویا بھول سکتا ہی نہیں
فیض سے جس کے درِ سینہ کھُلا

عجب دلکش حجاب درمیاں تھا [۱۴۷] — کہ مجھکو اپنی ہستی کا گماں تھا
جو باہر ہر کنارے سے رواں تھا — وہی آنسو کسی کا رازداں تھا
مثالِ نغمہ تھا کس کے لبوں میں — بتا اے سازِ ہستی میں کہاں تھا
نہ پوچھ اُس عشق کی معراج اے دل — کہ جس کے زیرِ پا ہر آسماں تھا
لئے پھرتی ہی دنیا اپنا پردہ — دلوں میں لامکاں تک بے نشاں تھا
وہاں محوِ تبسم تھی حقیقت — جہاں، تصویر سازی میں جہاں تھا

ہوا اندازہ بے پایاں تڑپ سے
بہت اونچا دلوں کا آشیاں تھا

یہ سمجھا میں جبیں سائی کے معنیٰ
تعیّن سے بری مسجودِ جاں تھا

جہاں پھیری نظر، دنیا تھی غائب
جہاں دیکھا، وہاں کون و مکاں تھا

پڑا تھا عقل کا پردہ نظر پر
بقدرِ فہم میں خود سے نہاں تھا

گئی جو موج پھر واپس نہ آئی
کہ غم، بے حدّ و ساحل بیکراں تھا

بجائے منزلِ تکمیل گویا
جہاں اک رہگذارِ کارواں تھا

(۱۴۸)

رنگِ چمن نہ بوئے گُل دل نے چمن سے کیا لیا
مثلِ نظر ہیں ہم یہاں، آنکھوں کو آزما لیا

دیکھ رہی ہے کائنات دل کو بڑے ہی غور سے
ذرّے نے آفتاب کو دل میں کہاں چھپا لیا

راز میں اور نیاز میں راز و نیاز ہو گئے
بندۂ بے نیاز نے سر کو جہاں جُھکا لیا

جسکی نظر پہونچ گئی حاصلِ انتخاب تک
لاکھ سے منہ کو پھیر کر، ایک کو اُس نے پا لیا

(۱۴۹)

رِستا رہے ہیں شبنم کے قطرے چمن میں
جلاتے ہیں آنسو چراغ انجمن میں

کُھلے بے نقابی کے معنیٰ چمن میں
ہزاروں گلستاں ہیں اک اک کرن میں

نہ پاکر تجھے شمع نے انجمن میں
لیا آتشِ ہجر کو پیرہن میں

حجاباتِ ہستی اُٹھے جا رہے ہیں
یہ کون آ گیا بے نقاب انجمن میں

نمود ادرحقیقت کی منزل جُدا ہی — کہ دل ہیں ہیں داغ اور چراغ انجمن ہیں

تماشائے نیرنگِ چشم و نظر ہے — بہر لحظہ ہیں اِک نئی انجمن ہیں

نظر ہیں ہی کون و مکاں کا خلاصہ — دو آنسو ہیں چشم و چراغ انجمن ہیں

بیاضِ سحر ، اشک و شبنم کے قطرے؟ — کتابِ نظر، لالہ و یاسمن ہیں

قفس سے دکھا کر گلستاں کی راہیں — سحر گل کھلاتی ہی قیدِ چمن ہیں

بڑھے جائیے دریا میں اپنے جہاں تک — وہاں تک ہے ہر موج اپنے وطن ہیں

سرِ راہ آنسو ہوں تو فاصلہ کیا — اُٹھائی نظر اور کسی انجمن ہیں

یہ کہتا ہے ہر نقشِ خاموش گویا

مصوّر ہی تصویر کے پیرہن ہیں

(۱۵۰)

میں تجھکو ڈھونڈھنے کو سجدے میں جا رہا ہوں — اپنی جبیں کو دل کی آنکھیں بنا رہا ہوں

اپنی جبیں نہ پاکر اُس آستاں کے قابل — اشکوں سے خاک در ہی میں چومتا رہا ہوں

جب بندھ گیا تصوّرِ منزل کا راستے میں — میں سر جھکائے اُن کے در پہ کھڑا رہا ہوں

اشکوں کے ساتھ شب بھر جگنوں گا در د بن کر — تاروں کے ساتھ دن بھر ڈوبا ہوا رہا ہوں

سود و زمیکدے کے ساقی کا اِک اشارہ — ہستی کے دائرے میں چکّر لگا رہا ہوں

یہ نامۂ محبت لے جائے کون یا رب — اِک اشک کو سحر سے مژگاں ہیں پا رہا ہوں

باب ۳ انشراحِ دل

دیں اور دل تمھارا میں منھ سے کیا بتاؤں — کیا جانتا رہا ہوں کیا مانتا رہا ہو
یہ آنکھ اور نظر تو پھر بھی ہے دور مجھ سے — میں آپ سے بھی تم کو نزدیک پا رہا ہو
گویا برس رہے ہیں آنسو دمِ نظارہ — اپنی نظر سے شاید میں خود جدا رہا ہو

(۱۵۱)

ہے رازِ بہار و گلستاں، نظر میں — نظر میں ہے اک گل بداماں، نظر میں
نئے ہیں نظاروں کے ساماں نظر میں — مٹے جا رہے ہیں، دل و جاں، نظر میں
کرے آنسو آنسو چراغاں نظر میں — نظاروں کی دنیا ہے مہماں نظر میں
دکھاتا ہے ہر شب میں اُجالا سحر کا — اِک آنسو ہے شمع شبستاں نظر میں
بہاروں میں رنگِ جنوں دیکھتا ہوں — گلوں کے ہیں دامن گریباں نظر میں
بچھائے رہیگا کوئی اپنی آنکھیں — پھرے وہ خراماں خراماں نظر میں
تماشا ہے یہ دل کی دنیا بھی گویا — بیاباں نظر میں، گلستاں نظر میں

(۱۵۲)

دل اپنے ساتھ لیکر اپنا سوز و ساز آئے ہیں — بڑی ہی دور سے سُنکر کوئی آواز آئے ہیں
سرِ مژگاں نظر آئے ہیں جو ٹھہرے ہوئے آنسو — نظر کی حد کو وہ کر کے نظر انداز آئے ہیں
جبینِ شوق تڑپی ہے زمیں پر ایک مدت تک — تو سجدوں میں کہیں جاکر نیاز و راز آئے ہیں
ستاروں کی بلندی تو فقط اتنا بتاتی ہے — کہاں تک دل تڑپ کر بے پر پرواز آئے ہیں
نیاز و راز کے عالم میں گویا گفتگو کیسی — لبوں تک آئے ہیں نالے تو بے آواز آئے ہیں

نظر نامہ

(۱۵۳)

سرِ مژگاں سحر کا اک ستارہ ہی، نظر نامہ — خلاصہ، دفترِ ہستی کا ہی، یہ مختصر نامہ
کوئی قاصد نہ کوئی نامہ بر ہی کون لے جائے — سرِ راہ نظر بیٹھی ہی لیکر چشمِ تر نامہ
یہ گویا کہہ رہے ہیں صبح کے تارے سرِ مژگاں
شبِ ہستی نے لکھا ہی بصد سوزِ جگر نامہ

(۱۵۴)

ستارہ یوں سرِ مژگاں ہی رونما کوئی — کہ جیسے دیکھے بلندی سے راستا کوئی
ملا رہا ہی شعاعوں سے سلسلہ کوئی — پڑ رہا ہے نگاہوں کا دائرہ کوئی
چھلکتا جام لئے صبح کے ستارے کا — کھڑا ہوا ہے سرِ بزمِ میکدہ کوئی
شگفتہ ہوگئے ہی یہ رنگِ دل کا اشکوں میں — کنول کا پھول ہو جیسے کھلا ہوا کوئی
گواہِ عینی خود ہی اشکبار آنکھیں ہیں — ہوا تھا دل کی طرف ہی سے رونما کوئی
بتا تو قطرۂ شبنم جواب کیا دیگا — نقاب اولٹ گئے اگر پوچھے مدعا کوئی
نثارِ شمعِ تجلی ہو دل سے پروانے! — نہیں ہی اس کے سوا اور راستا کوئی
جہاں سے دور کا آغاز میکدے میں ہو — ہر ابتدا کی ہی لاریب انتہا کوئی
نشاں ملا تو نہ اپنا نشاں ملا گویا — پتا چلا تو نہ اپنا پتا چلا کوئی

ستارے دیکھ کے منہ رہ گئے شبِ غم میں — فلک کی حد سے تڑپ کر گزر گیا کوئی
خدا کے بندے! خودی و خدائی کیا شے ہے؟ — نہیں جب اوس کے سوا دوسرا خدا کوئی
بنائے عشق ہو اے خلق اتنی مستحکم — جسے ہلا نہیں سکتا ہے زلزلہ کوئی
شکستہ دل بھی ہیں تیرے کرم سے مستغنی — ای آسماں ہی ہمارا بھی آسرا کوئی
ٹپک پڑے وہیں آنسو گدا کی آنکھوں سے — نظر نہ آئی جہاں راہِ التجا کوئی

یہ تیرے آنسو بتاتے ہیں خود تجھے گویا
ہی میکدہ ترے دل میں چھپا ہوا کوئی

(۱۵۵)

خموشی میں بھی حسن کتنا حسین ہی — شگفتہ گلِ لالۂ احمریں ہی
یہ کس کا خرامِ بہار آفریں ہی — کہ ہر ذرے میں رنگِ خلدِ بریں ہی
شمیمِ محبت سے روحیں معطر — عجب ساغرِ بادۂ عنبریں ہی
وہاں سر کو سجدے سے کیونکر اٹھائیں — جہاں فاصلہ ہی بقدرِ جبیں ہی
مرقع ہی موجِ جمالِ سحر کا — ستارہ کہ برگِ گلِ یاسمیں ہی
یہاں آنکھ والے نظر دیکھتے ہیں — نگاہوں کا رشتہ بھی نازک تریں ہی
تحیر سے کھلتا ہے ہر نقشِ حیرت — یہ ہستی عجب ہے کہ ہی اور نہیں ہی
یہ ہو اشکِ مژگاں، وہ ہی سوزِ پنہاں — یہ شمعِ مکاں ہی، وہ نورِ مکیں ہی

پتا پوچھ اپنا تو اے موجِ دریا جہاں تو ہے تیری حقیقت وہیں ہے
نثارِ قدم چشمِ تر کے جو اہر ترا منتظر دل کا اِک اِک نگیں ہے
تجلّی کے عالم میں ہر لحظہ گویا
نئے آسماں ہیں، نئی سرزمیں ہے

(۱۵۶)

نظر اُس راہ میں آنکھوں سے قربِ دل بھی تمنا ہے جہاں ہر سانس میں کوئی کسی سے مِل بھی آتا ہے
ہمیشہ گریۂ پیہم میں دھوکا ہی نہیں ہوتا کبھی خود موج کے آغوش میں ساحل بھی آتا ہے
تماشائے تمنا ہی نہیں ہوتا ہے آنکھوں میں کبھی اِن روزنوں سے جھانکنے کو دِل بھی آتا ہے
ادائے شکر میں ہوتا ہے جب انسان بے قابو تو باہر ساتھ اشکوں کے نِکل کر دِل بھی آتا ہے
تماشائے نظر ہر آنکھ کے آنسو نہیں ہوتے کبھی تاروں کے جھرمٹ میں مہِ کامل بھی آتا ہے
ہمیشہ ہی نہیں رہتا ہے گردِ رہگذر گویا!
غبارِ راہ اُڑ اُڑ کر سرِ منزل بھی آتا ہے

(۱۵۷)

عجب رنگِ مے ہے، عجب میکدہ ہے عجب حُسن اشکوں میں جھلکا ہوا ہے
جہاں سے ہوئے سر بسجدہ ملائک وہاں سے پتا آدمی کا چلا ہے
حقیقت کے شاہد دو عالم ہیں یعنی بقدرِ تحمل ہی پردہ اُٹھا ہے
تعارف کا ہے رنگ ہر گل میں گویا معارف کا گون و مکاں گلکدہ ہے

(۱۵۸)

سحر سے جو پیہم خیال آ رہا ہے
وہ سرشارِ رنگ وصال آ رہا ہے
یہ رکھا ہے کس نے قدم کوئے دل میں
کہ ہر ذرّے کو وجد و حال آ رہا ہے
کدھر بارشیں ہو رہی ہیں کرم کی
کدھر سے یہ ابرِ جمال آ رہا ہے
یہ نظروں میں ہے گفتگو کس کی گویاؔ
کہ ہر اشک بن کر سوال آ رہا ہے

(۱۵۹)

اشکوں سے فروزاں ہے فضا دیدۂ تر کی
ہے عکس ستاروں ہی کا موجوں میں نظر کی
آثار سحر کے سے ہیں کچھ دیدۂ نم میں
ساغر میں نظر آتی ہے اک موج گہر کی
افلاک کے دروازے کھلا کرتے ہیں گویاؔ
خاموش فضا ہوتی ہے جب پچھلے پہر کی

(۱۶۰)

نگاہِ کرم کے سہارے سہارے
چلا جا تو اے دل کنارے کنارے
اُبھرنا ہے تو اس قدر ڈوب جا تو
سمجھ کر تجھے موج، دریا اُبھارے
پکاریں مرے دل کی سننے کو گویا
وہ آتے ہیں ہر سانس میں بے پکارے

(۱۶۱)

اگر وہ سامنے جلوہ طراز ہو جائے
غمِ مجاز، حقیقت کا راز ہو جائے
جو اک نظر بھی کہیں کامیاب ہو گویاؔ
تو زیست لمحۂ راز و نیاز ہو جائے

بابِ چہارم، مطالعۂ فطرت

(۱۶۲)

سمجھ نہ لالہ وگل ہی بہار کے معنیٰ — نہیں نگارشِ نقش و نگار بے معنیٰ
ہر ایک قطرۂ شبنم ہی گوہرِ عرفاں — ٹپک رہے ہیں عجب برگ و بار سے معنیٰ

فروغِ شبنم

(۱۶۲/۱)

شبنم کا قطرہ قطرہ سمندر لئے ہوئے
پیاسا ہے دل میں جلوۂ کوثر لئے ہوئے

آنسو ہیں کس نگاہ کے منظر لئے ہوئے
صدہا ہیں انبساط کے گوہر لئے ہوئے

ذرّوں کے آئینوں میں ہیں عکس آفتاب کے
خود میں ہزاروں مہرِ منور لئے ہوئے

شبنم کے سوز و ساز سے واقف نہیں کوئی
پہلو میں اشک اشک ہی اخگر لئے ہوئے

ہم بھی ہیں انتظار میں اک آفتاب کے
سینے میں اپنے اک دلِ مضطر لئے ہوئے

ہے منحصر نگاہِ کرم پر بساطِ دل
اک اک نظر ہے دید کے منظر لئے ہوئے

نظّارۂ جمال کا اللہ رے انتظار
خود کو کھڑے ہیں آپ سے باہر لئے ہوئے

شبنم ہے چشمِ دل سے سرِ راہ منتظر
ہر نگاہ، شوق کے دفتر لئے ہوئے

کیا پوچھتا ہے قطرۂ شبنم کا تو فروغ
ساقی کھڑا تھا راہ میں ساغر لئے ہوئے

سب سے جدا چمن میں ہے شبنم کی انجمن
بیٹھے ہیں آفتاب کو اختر لئے ہوئے

ایک ایک نقش ذہنِ مصور میں ہے ہنوز
اپنا جہان اپنے ہی اندر لئے ہوئے

آئے ہیں سرزمیں کی طرف آسمان سے
بحرِ جمال سینوں میں گوہر لئے ہوئے

گویا ہے ایک قطرۂ شبنم ہی یہ وجود
دنیا میں سو تلاطمِ محشر لئے ہوئے

اشک و گہر

(١٦٣)

کسی دُکھے ہوئے دل کو لگی ہے چوٹ جہاں
تو چھیڑ گیا ہے وہ سازِ جراحتِ پنہاں

بجائے نغموں کے، جس میں شکستہ دل آنسو
خموش، پردوں میں آنکھ اور دل کے گرمِ فغاں

کوئی سفینہ ہو جیسے تلاشِ ساحل میں
ہوا ہے آنکھ سے آنسو عجب طرح سے رواں

بالآخر اُس خدِ فریاد کو پہونچ ہی گیا
سُنی ہی جاتی ہے آواز، دردِ دل کی جہاں

١٦٣/١

سرِ مژگاں ہیں تصویرِ جہانِ آرزو آنسو
لئے بیٹھے ہیں دنیائے تمنا، روبرو آنسو

سحر تک جب جلاتے ہیں چراغِ آرزو آنسو
نظر آتے ہیں پھر تارے سحر کے ہو بہو آنسو

فضائے آرزو میں ہے عجب پرواز کا عالم
اُڑے جاتے ہیں ہر لحظہ مثالِ رنگ و بو آنسو

مآلِ ماجرائے زندگی تو اور ہی کچھ ہے
مہرِ افسانہ آتے ہیں نظر دل کا لہو آنسو

اکیلے ہیں خدا ہی جانے یہ کس سے سرِ مژگاں
کیا کرتے ہیں چپکے چپکے پہروں گفتگو آنسو

سحر کو مشرقِ ہستی سے جب پہلی کرن پھوٹے
دکھا دیں کیوں نہ تصویرِ جمالِ آرزو آنسو

بتاتا ہے زمانے میں تسلسل آہ و شبنم کا
قیامت تک فضاؤں میں کریں گے جستجو آنسو

مآلِ اشکباری سوچتا ہے، دیکھنا یہ ہے
بکھر کر دیکھتے ہیں کس کے جلوے چارسو آنسو

نظر آتا ہے ہر قطرے میں دریا موجزن گویا
مسلسل مل کے آپس میں ہیں بحرِ آرزو آنسو

(۱۶۴)

لالہ و گل میں ڈھونڈھنے والے! دل کی قربانیوں میں جنت ہے
دلِ مجروح و سینۂ صد چاک جلوہ گاہِ نسیمِ رحمت ہے

(۱۶۵)

گہر کے صد ہا خریدار ہیں صدف کے کم جہاں میں ظرف کی قیمت نہیں سمجھتے ہم
یہی سبب ہے نہیں ہم میں کوئی بھی جوہر گہر سمجھتے ہیں، نا اہلِ دل کو نامحرم

(۱۶۶)

دل فدا غیر پر نہ کر اپنا جان اپنے کو، ہی اگر اپنا
دیکھ! رہ کر صدف سمندر میں بھولتی ہی نہیں گہر اپنا

(۱۶۷)

اگر ہو سوزِ نظر کا شرارہ پہلو میں تو دل کا داغ ہو روشن ستارہ پہلو میں
سبق لے اپنی ہی ہستی سے اے شکستہ دل تری کتاب، دلِ پارہ پارہ، پہلو میں

(۱۶۸)

نظر سے دیکھ کوئی ایک قطرۂ شبنم سحر کے بعد، سرِ رہگذر نہیں ہوتا
ستارہ بن کے چمکتا ہے آسمانوں پر کبھی غبارِ زمیں، دیدہ ور نہیں ہوتا

(۱۶۹)

ساتھ اشکوں کے اگر صبح کو بہتا ہی کوئی
شام سے یاد میں خود صبح کی رہتا ہی کوئی
اُس کا ہوتا ہی کوئی اور ہی سُننے والا
جو فسانہ، دہنِ اشک سے کہتا ہی کوئی

(۱۷۰)

امتحاں کرتی ہیں احساسِ نظر کا شاید
کرنیں پل پل کے نگاہوں سے چلی جاتی ہیں
سامنے دیدۂ بیناہی کے ہنگامِ سحر
صدہا چُن چُن کے معارف کے گہر لاتی ہیں

(۱۷۱)

کھلنے والے جو ہوا کرتے ہیں غنچے گویا
بخش دیتی ہی اُنھیں جوشِ نمو رحمتِ رب
دل ترقی ہی نہیں کرتے بغیر اِس کے کبھی
کامیابی کی علامت ہی بڑی، شوقِ طلب

اِنسان

(۱۷۲)

انسان خود ہے اپنی حقیقت کا آئینہ
ہو آپ پر نگاہ تو کیا اور چاہیے
لیکن بغیر درد کے کھلتی نہیں ہی آنکھ
سوز و گدازِ دل کا کوئی دور چاہیے

زبانِ راز

(۱۷۳)

آنکھیں سنتی ہیں بعض وہ باتیں
نہیں سُن سکتے جن کو کان کبھی

نظریں کہتی ہیں آنکھیں سنتی ہیں   باتیں ہوتی ہیں جو بہت مخفی
ایسی ہی بعض باتیں اور بھی ہیں   سن نہیں سکتی جن کو آنکھیں بھی
رازو اسرار کے مدارج ہیں   بات اِس میں ہے کیا تعجب کی
دل کی باتوں کو دل میں سنتے ہیں   جب نہیں ہوتا دوسرا کوئی
تو پیام و سلام ہوتے ہیں
آنسوؤں میں کلام ہوتے ہیں

(۱۷۴)

مصروفِ تکلّم ہیں نظارے ہی یہاں اور   خاموش غم و درد کی گویا ہے زباں اور
ظاہر میں تو آنسو ہیں حقیقت میں نظارے   کچھ کام کیا کرتے ہیں یہ اشکِ رواں اور
آساں نہیں جلوۂ ساقی سے تعارف   ہر دَور میں درکار ہے، ذوقِ دل و جاں اور

مقصود

(۱۷۵)

وہ نفس ہو کہ خودی، کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ   فنا کا ہو نہیں سکتی ہے خود فنا مقصود
ہماری ہستی فانی بقا کی طالب ہے   خدا ہی باقی و قیّوم ہے ہو المقصود

(۱۷۶)

اُسی حسین نے پائی یہاں بقائے دوام   فدائے حق کیا جس نے ہمہ تن اپنا وجود
خودی کو درجہ بدرجہ مٹانے کا ہے سبق   خدا کے سامنے دِل سے ترا رکوع و سجود

شعاعِ مہر نے کھولی جو آنکھ شبنم کی
نظر میں کچھ نہ رہی گوہرِ خودی کی نمود

اگرچہ ذروں میں تنویرِ آفتاب تو ہے
مگر قیاس سے باہر ہی جلوۂ مشہود

اسی لئے تو ہے ایمان کی شرطِ اول لا
نظر میں تا نہ رہے کوئی بھی اِلٰہ نمود

پھر اس کے بعد ہی اثبات اُس حقیقت کا
شریک جس کا نہیں کوئی بھی ہوا لمقصود

تلاشِ راز ہی اس تنگ دائرے میں محال
کہ ہی بساطِ خودی اِک نقطۂ محدود

خدا کی راہ میں کر وسعتِ نظر پیدا
یہیں ملی ہے مجاہد کو منزلِ مقصود

اسی جگہ نظر آتا ہے مردِ مومن کو
کہ بے نیازِ دو عالم ہے بندۂ معبود

خودنگاہی

(۱۷۶)

گریۂ شوق کو پایانِ مراحل نہ بنا
مدعا یہ ہی کسی موج کو ساحل نہ بنا

خود شناسی تو ضروری ہی تعارف کیلئے
خودنگاہی کو مگر پردۂ حائل نہ بنا

اپنا احساس بھی ہی عشق کے عالم میں تجھے
آپکو اپنی حقیقت کا مقابل نہ بنا

اشک رکھتے ہیں کوئی گوہرِ مقصود ضرور
فائدہ گریۂ پیہم سے اگر دل نہ بنا

(۱۷۷)

پہونچے نہیں ہیں آپکو اشکِ رواں ابھی — منزل سے دور ہی نظرِ کارواں ابھی
سمجھے نہ جاتے ورنہ زمانے میں بے گہر — کوتاہیاں دلوں کی ہیں خود درمیاں ابھی

کائنات

(۱۷۸)

عالم تمام جلوہ گہِ چشمِ التفات — کُل میکدہ ہے ایک ہی جامِ صفات میں
خورشید کی شعاعوں کا اِک انعکاس ہے — لاریب اور کچھ بھی نہیں کائنات میں

الہام

(۱۷۹)

فضا موافق و دل سازگار و سوزِ بلند — جو ہوں نصیب سے حاصل تو ہر نفس پیغام
یہ خوش نصیبی مگر منحصر کرم پر ہے — کہ جامِ جم نہیں ہو سکتا ہر شکستہ جام
جہانِ ساغر و مینا ہے دستِ ساقی میں — اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں دلوں کے نظام
اُدھر کی بات اِدھر ہی سنائی دیتی ہے — اِدھر ہی بنتا ہے صوت و صدا اُدھر کا کلام
ہزار کان لگائے تمام میخانہ — دلِ مخاطبِ ساقی، خطاب کا ہے مقام
پیامِ شمع کو سنتا ہے دل سے پروانہ — زباں پر آ نہیں سکتے ہیں معنیٔ الہام
پیام کرتی ہے موصولِ دل کی وہ بجلی — وہ جس کا عشق کی دنیا میں سوزِ عشق ہے نام
سوال فصل کا کچھ وصل کے جہاں میں نہیں — کہ ساتھ عشق کے ہیں ہر جگہ پیام و سلام
کہاں میں ذرّہ کہاں آفتاب کی باتیں — نہیں ہے گو یا حقیقت میں کچھ حدِ انعام

معمائے ہستی

(۱۸۰)

خود ہی تفصیل ہے تو رازِ پسِ پردہ کی
تیری تفصیل ہیں تفصیل ہے کل دنیا کی
یعنی انسان ہی گُل ہے شجرِ عالم کا
حاصلِ جلۂ چمن نام، دلِ محرم کا
پھول جب پاتی ہے گلشن میں شگفتہ کوئی
راز رکھتی نہیں فطرت پسِ پردہ کوئی

شرفِ انسانیت

(۱۸۱)

شرف تخت و تاج ہے انساں
شرف انساں کا تخت و تاج نہیں
آفتاب آفتاب ہے دن رات
نور شرمندۂ سراج نہیں

آدمیت

(۱۸۲)

آخری حد ہے آدمیت کی
جہاں اپنے لئے نہ کچھ بھی
جس قدر دوسروں کے کام آئے
آدمی، آدمی ہے اتنا ہی

(۱۸۳)

ہے آدمی تو نام اُسی امتیاز کا
آئے جو عرشیوں کی نظر عرش راز کا
آدم کی جس میں شان نہ ہو آدمی نہیں
وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو خلقِ مجاز کا

جہادِ آدمیّت

(۱۸۴)

پیاس جو بارشیں بجھاتی ہیں خار و خس کو وہی بہاتی ہیں
یوں ہی قربانیاں بھی انساں کی امتیاز اپنا خود بتاتی ہیں

آدمیّت فدائے حق ہونا
دل سے قرباں برائے حق ہونا

شانِ حیات

(۱۸۵)

ذرّے ٹکرا گئے پہاڑوں سے اس کو شانِ حیات کہتے ہیں
جو ہو ہر لحظہ اُن کی مٹھی میں دل اُسے کائنات کہتے ہیں

ہے جہادِ اصلِ زندگی گویا
راز کی تجھ سے بات کہتے ہیں

چٹان

(۱۸۶)

ہر شاخ اشارہ کرتی ہے طوفانِ ہوا سے ہل ہل کر رہنا ہو جگہ پر قائم تو اے نخلِ جاں پیدا دل کر
طوفان سے کیوں گھبراتا ہے، گرداب سے کیوں بل کھاتا ہے طوفان کو اپنی کشتی سمجھ، گرداب سے پیدا ساحل کر
تم کچھ بھی نہیں یہ غم نہ کرو دل سے تو ملا کر دل دیکھو بن جاتے ہیں پتھر کی چٹاں آپس میں ذرّے مل مل کر

دل

(۱۸۷)

ہر چند کہ اجزائے دو عالم بھی ہوئے صرف
اِک دل کا تخیّل ابھی کامل نہ ہوا تھا
اِس حاصلِ تخلیق کی تکمیل سے پہلے
حاصل جسے کہتے ہیں وہ حاصل نہ ہوا تھا

مطالعہ

(۱۸۸)

تو پڑھ نہیں سکتا ہی جو قدرت کا صحیفہ
تو علم ترا دفترِ اوہام و خرافات
ہر ذرہ ہے اِک مظہرِ آیاتِ الٰہی
دنیا تری نظروں میں ہی دنیائے حجابات!!

فکر و نظر

(غزلیات)

(۱۸۹)

سو پردے اُٹھا دیتی ہی اِک آہِ اثر خیز
جاگ اے دلِ تاریک کہ ہر شب ہے سحر خیز
ہر حشر کے لب پر ہی صدا، خاکِ بشر اخیز
خیز اے دلِ خوابیدہ، جگر خیز، نظر خیز
ہنستی ہوئی اُٹھتی ہی کلی باغِ جہاں میں
تو بھی تو کھِلا کوئی چمن چشمِ سحر خیز!
پیچھے نہ قدم تیرا ہے دیکھ کسی سے
دورِ مہ و انجم میں ہو تحقیرِ بشر! اخیز

پامالِ زمانہ ہوا منزل سے بھٹک کر
ای نقشِ سرِ راہ ہے کیوں خاک بسر، خیز

(۱۹۰)

اُبھرا ہے موجِ دریا تیرا دریا رونما تجھ میں — پسِ پردہ ہی تجھ میں غوطہ سی ترا ننھا تجھ میں
حقیقت جلوہ گر ہی آئینہ در آئینہ تجھ میں — تجلّیٔ خدا تجھ میں، جمالِ مصطفیٰ تجھ میں
تیرے ہی دل کی حلقوں میں تجھے سیراب کرنے کو — چھپا کر رکھدیا ساقی نے اپنا میکدہ تجھ میں
دلِ حیرت زدہ یہ سر سے پا تک دیکھتا کیا ہی — جمالِ دوست کا ہی قدِ آدم آئینہ تجھ میں
یہ آنسو صبح کے اور رات کی آہیں نہیں خالی — فضائے کوثر و جنت کی ہی آب و ہوا تجھ میں
اگر کرنا ہی کچھ حاصل تو مجنوں قدرِ ہستی کر — تری ہستی کی صورت میں ہی تیرا مدعا تجھ میں
صدائے دل کو سن بیدار کر خوابیدہ جذبوں کو — ہی تیرا کارواں تجھ میں، تری بانگِ درا تجھ میں

تلاطم میں صدا آتی ہی یہ ہر سمت سے گویا
نہ گھبرا کشتیٔ ہستی ہی تیرا ناخدا تجھ میں

(۱۹۱)

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسے دنیا سمجھتے ہیں — کسے اصل و حقیقت اور کسے دھوکا سمجھتے ہیں
خدا جانے ہوا کیا ہے سمجھ والوں کی عقلوں کو — کبھی آئینہ کہتے ہیں، کبھی پردہ سمجھتے ہیں

نہ پردہ ہی نہ آئینہ، ہوا معلوم یہ گویا
ہم اپنے حال کی دنیا ہی کو دنیا سمجھتے ہیں

(۱۹۲)

دل و نظر میں بھرا ہیں سو جلوہ خانے — جہاں بھی کوئی خود اپنی نظر کو پہچانے

ہیں کب سے دورِ محبت میں دل خدا جانے
طوافِ شمعِ حرم کر رہے ہیں پروانے

نگاہِ غیر پہ شانِ طواف کیا جانے
کہ رقص کرتے ہیں مرکز پہ اپنے پروانے

فروغِ شعلۂ ہستی ہے آنسوؤں ہی سے
فرازِ طور کو پہونچے نہیں ہیں دیوانے

بلندیاں ہیں رہِ آستاں کی بے پایاں
سرِ نیاز جہاں تک بھی خود کو پہچانے

چراغ اپنے یہاں ساتھ اپنے لائے ہیں
رہینِ برق نہیں ہیں دلوں کے کاشانے

عجیب کیف ہے بحرِ وجود میں گویا
حباب ہیں کہ لئے پھر رہے ہیں پیمانے

(۱۹۳)

کیوں پوچھتا ہے منزل کعبہ ہے کہ بتکدہ ہے؟
تو یہ بتا کہ تو خود کس سمت جا رہا ہے

ہر شب کو ہے دکھاتی کچھ اور خوابِ دنیا
ہر صبح کو زمانہ کچھ اور دیکھتا ہے

خود چشمِ آرزو نے یہ رنگ بھر دئیے ہیں
اپنی نظر میں دنیا اپنا ہی گلکدہ ہے

وہ دائرہ ہے شاید خود اپنی ہی نظر کا
ہر ذرہ جس فضا کو دنیا سمجھ رہا ہے

تو اپنے ہی جہاں میں اپنی تلاش میں ہے
جبتک تری نظر میں خود تیرا مدعا ہے

دنیا میں ہر کوئی ہے اپنے مشاہدے میں
جو جس میں دیکھتا ہے وہ خود میں دیکھتا ہے

بے اشک باریوں کے مطلع نہ صاف ہوگا
بادل میں چاند تیرا گویا چھپا ہوا ہے

(۱۹۴)

سن ہے پردے میں لیکن پردہ کر دشمن میں ہے — شمع کا چہرہ خود اپنے نور کے دامن میں ہے
لا الماس بنتا ہے بڑی مدت کے بعد — اے دلِ بیتاب سب کچھ صبر کے دامن میں ہے
کر شاخوں سے خود دامن میں آجاتے ہیں پھول — ہم دکھادیں گے اگر جذبِ طلب دامن میں ہے
ملہ کیا چیز ہے ربط و تعلق چاہئے — اُس طرف بجلی فلک پر، اسطرف خرمن میں ہے
نگاہِ مہر کی خاطر ہیں کیا کیا اہتمام — موتیوں کا اک ذخیرہ صبح کے دامن میں ہے

لطف ہے ہر درد میں گویا بقدرِ ذوقِ دل
بات جو ہے اُف نہ کرنے میں وہی شیون میں ہے

(۱۹۵)

اگر تو بالیقیں دل میں نہیں ہے — مجھے کیوں اپنے ہونے کا یقیں ہے
نہیں ہے راہ کو منزل سے نسبت — نگاہیں ہیں کہیں اور دل کہیں ہے
بہت حساس ہے آئینہ دل کا — خیالِ غیر بھی گردِ نگیں ہے
اسے گھس گھس کے آئینہ بنالوں — حجاب درمیاں میری جبیں ہے

ہے سجدہ منزلِ معراجِ مومن
بنا کے آسماں گویا زمیں ہے

---

(۱۹۶)

واقفِ راہِ قربِ دوست دیدۂ اشکبار ہے — دل سے وہی قریب ہے آنکھ سے جو دوچار ہے

قطرۂ بحرِ آرزو ہر طرح کامگار ہے — اُبھرے تو ساحلِ مراد، ڈوبے تو بے کنار ہے

مشتِ غبار نے جہاں دامن ذرا جھٹک دیا — سارے حجاب اُٹھ گئے، پردہ تو در کنار ہے

کوئی کسی لباس میں گذرا نظر سے ہی ضرور — دیکھا نہیں تو آنکھ کو کس لئے انتظار ہے

گویا ہے کس خیال میں اپنی نظر کا رنگ دیکھ
حدِّ نظر ہی آسماں یا ترا خود غبار ہے

(۱۹۷)

تصوّرات کی گویا عجیب دنیا ہے — کہ خود مصوّر و تصویر میں بھی پردہ ہے

یہ تم کو دیکھ کے مجھ کو خیال ہوتا ہے — کہ جیسے دل نے کہیں پہلے تم کو دیکھا ہے

ہزار ذرّے سمجھتے ہوں آپکو روشن — جو آسمان پہ چمکے وہی ستارا ہے

تڑپ تڑپ ہی کے ملتی ہے موج ساحل سے — دلوں کے آتے ہی آتے قرار آتا ہے

یہ حال و قال میں اک خاص فرق ہے گویا
زباں پہ آ نہیں سکتا جو دل میں آتا ہے

(۱۹۸)

آتی ہے صدا یوں کبھی منزل کی طرف سے — جیسے کہ بلاتا ہو کوئی دل کی طرف سے

معلوم نہیں ہے تجھے گریہ کی حقیقت
ای آنکھ یہ موج آئی ہے ساحل کی طرف سے
میخانۂ عالم میں جب اک بھیڑ لگی تھی
ساقی نے کیا جام عطا دل کی طرف سے
دل ہی کوئی تصویر کہ ہے آئینہ گویا
دیکھے کوئی قابل کو مقابل کی طرف سے

(۱۹۹)

ہے شام ہی سے صبح کا ساماں لئے ہوئے
ذوقِ نظر، ستارۂ پنہاں لئے ہوئے
ممکن ترا کرم ہے تو ممکن نہیں کیا
امکانِ دل ہے، عالمِ امکاں لئے ہوئے
مدت سے ڈھونڈھتی ہیں نگاہیں کوئی نظر
دامن میں پھر رہی ہے دل وجاں لئے ہوئے
تجھ پر نثار ہونے کی حسرت نہیں کسے
دامن ہیں دل میں شوقِ گریباں لئے ہوئے

فطرت نظر

(۲۰۰)

میں اپنے ساتھ لایا ہوں تصورِ شکل و صورت کا
اسی منزل میں ہونا ہیں نظر کے امتحاں برسوں
جنھیں دیکھا ہو دل نے خوابِ ہستی میں زمانے تک
نظر کے سامنے رہتے ہیں وہ وہم و گماں برسوں
جیا کرتے ہیں جو تنکے یہاں صورت بہ طائر کی
وہ ذرے خواب میں بھی دیکھتے ہیں آشیاں برسوں
تلاشِ منزلِ ہستی ہی جن ذروں کی فطرت ہو
اُنھیں پامال رکھتا ہے خیالِ کارواں برسوں
ابھی نظریں دکھائینگی ہزاروں اور بھی پردے
ابھی آنسو اُٹھائینگے حجاب درمیاں برسوں
ابھی تک دیکھنا در اصل صورت دیکھنا ہی ہے
ابھی رہنا ہے نظاروں کو محدود گماں برسوں

سراغِ ساحلِ ہستی بڑی مدت میں ملتا ہی
رہا کرتے ہیں گویا آنکھ سے آنسو رواں برسوں

نکات

(۲۰۱)

کنارے نہر ہی کے سبزۂ شاداب ملتا ہے
اگر کھلتا ہی تو دل کا کنول اشکوں میں کھلتا ہے
اگر رکھتا ہی آنکھیں تو نہ کر تحقیر اشکوں کی
کہ عکسِ ماہ، پانی کے ہلا دینے سے ہلتا ہے

(۲۰۲)

جو نخل ڈرتا ہو پامالیٔ حوادث سے
ریاضِ دہر میں وہ حسرتِ نمو نہ کرے
نہ کھول لے درِ میخانہ تشنگی جس کی
وہ بادہ کش ہی نہیں ہی سبو سبو نہ کرے
مثالِ شمع اگر کامیاب ہونا ہو
تو اپنا کام کرے اور گفتگو نہ کرے
اگر ہے کچھ تو حقیقت خود ہی اُبھاریگی
نہیں ہی کچھ تو ابھرنے کی آرزو نہ کرے
چمن میں دیکھ کے پھیلانا دامنِ اُمید!
فریب لالہ و گل ذوق کا لہو نہ کرے
گہر، گہر ہی ہمیشہ رہیگا اے گویا
اگرچہ کوئی بھی بے گوہر آبرو نہ کرے

(۲۰۳)

یہی نہیں ہی کہ دل، تیری ذات کا دل ہی
ہر ایک ذرۂ دل، کائنات کا دل ہی
لحاظ بات کا ہی لازمی یہاں گویا
سمجھ! ہزاروں میں ایک، اپنی بات کا دل ہی

(۲۰۴)

اے چشمِ تر، گہرِ راز دار پیدا کر — اِن آنسوؤں سے دلِ کامگار پیدا کر
جگہ، مجاز و حقیقت کے درمیاں ہی تری — دلے بہار و نگاہے بکار پیدا کر

دِل کی دنیا

(۲۰۵)

قطرہ قطرہ، دریا ہے — ذرّہ ذرّہ، صحرا ہے
دل کی بھی کیا مایا ہے — کچھ بھی نہیں اور کیا کیا ہے
دنیا، دل کی دنیا ہے

جہاں نما

(۲۰۶)

نہ جامِ جم جہاں نما، نہ کیف و کم جہاں نما — فقط ہیں ہم جہاں نما، ہمارا دم جہاں نما
زمیں نہیں، زماں نہیں، مکیں نہیں مکاں نہیں
بجز نگاہِ جاں نہیں، جہاں نہیں جہاں نما
نگاہیں ہیں حجاب میں، حجاب ہیں نقاب میں — نقاب ہیں، جناب ہیں، جناب ہیں جہاں نما
عجیب ہے یہ بابِ دل، پڑھے کوئی کتابِ دل
کتابِ انتخابِ دل، کتاب ہے، جہاں نما

(۲۰۷)

کوئی بھی سے بات خالی نہیں ہے ۔ یہ دنیا بھی، خالی، خیالی نہیں ہے
شعاؤں کی رنگینیاں ہیں گلستاں ۔ یہ رنگت مگر رہنے والی نہیں ہے

طائرانِ چمن

(۲۰۸)

متحد ہو کے نغمہ و پرواز ۔ کرتے ہیں خود یہاں تلاشِ راز
کچھ نہیں اور طائرانِ چمن ۔ ہیں فقط پردہ ہائے سوز و ساز

فاختہ

(۲۰۹)

شارخ ہے نغمۂ آرزو ۔ صدا فاختہ کی ہے، "یا دوست تو"
یہ آواز کس کی ہے اِس ساز میں ۔ عجب اِک کشش ہے اِس آواز میں
کہاں سے عناصر میں آئے یہ سوز ۔ کہاں سے ہیں طائر نے پائے یہ سوز
جھلک پائی ساری فضا لے اُڑی ۔ نظر ساتھ ارض و سما لے اُڑی
جب آواز پہچانی، وجد آ گیا ۔ صدا کس کی ہے، ذوقِ دل پا گیا

سماعت اگر محرمِ راز ہے
تو ہر ساز گویا ہم آواز ہے

پپیہا ہو، کوئل ہو یا فاختہ ۔ چمن کا ہر اک طائرِ خوش نوا

صدائے حقیقت کا اِک ساز ہے — حقیقت کی آواز، آواز ہے
پپیہے کے دِل میں ہے جو "پی کہاں" — ہے کوئل کی "کوکو" میں اُس کا نشاں
دِل فاختہ کا، وہی "وہ دوست ہے" — ہمہ واہمہ ہے، فقط اوست ہے
دلوں میں ہے جو روح درد آشنا — وہی طائروں میں ہے نغمہ سرا

اُسی کی پکاریں بہاروں میں ہیں
ہزاروں نظارے ستاروں میں ہیں

تجلّیٔ جمال

(۲۱۰)

کیا نور کا مرقع کیا صبح کا چمن ہے — جو پھول ہے چمن میں خورشید پیرہن ہے
جب تو نکل رہی ہیں ہر پھول سے شعاعیں — پھولوں کی انجمن میں اِک شمع انجمن ہے
نافہم ہو نہ جائے میلا تری نظر سے — ہر پھول کے بدن پر جلووں کا پیرہن ہے

لاسلکی

صاف آواز اُدھر کی آئی ہے — (۲۱۱) سوزِ دل ہے عجیب لاسلکی
فاصلہ کچھ نہیں، مگر گویا — کام کرتی ہوں بجلیاں دِل کی

بحرِ مواج

(۲۱۲)

دیکھتا کیا ہی زمانے کی طرف ناواقف
بحرِ مواج معانی ہی، تماشا کیسا

دل تلاطم میں خدا جانے کدھر جاتے ہیں
دور تک آتی ہی آواز، کنارہ کیسا

کچھ حقیقت کے سوا ہو تو بتا دے مجھکو
بے حقیقت جو نہیں کچھ بھی تو دھوکا کیسا

دینِ فطرت

(۲۱۳)

دل ہوا کرتے ہیں بےخوف بقدرِ ایماں
کام آتا ہی تلاطم میں یقینِ محکم

نہیں ہوتے کبھی احکامِ الٰہی تبدیل
دینِ فطرت ہی زمانے میں ہی دینِ محکم

خوفِ غیر

(۲۱۴)

بہت سے لوگ ویرانوں سے اور صحرا سے ڈرتے ہیں
بہت سے لوگ طوفانوں سے اور دریا سے ڈرتے ہیں

حقیقت میں دلوں کی یہ بڑی پہچان ہی گویا
خدا سے جو نہیں ڈرتے ہیں، وہ دنیا سے ڈرتے ہیں

رموزِ فطرت

(۲۱۵)

آپ کو بھولا ہوا ہی اس لئے خاموش ہی
ورنہ ہر قطرہ یہاں طوفان درآغوش ہی

کیفِ صہبائے حقیقت تو بقدر ہوش ہی
جسکو جتنا ہوش ہی اُتنا ہی وہ مدہوش ہی

خاکِ پروانہ، غبارِ دل، چراغِ بے ضیا
جو کوئی ہی رازدارِ بزم، وہ خاموش ہی

عالمِ فطرت کے ہر ذرّے سے گویا ہے سبق
زندگی محوِ تکلّم ہی، زباں خاموش ہی

دل شکستگی

(۲۱۶)

میخانۂ غریب ہے دل کی شکستگی
ہر لحظہ آنسوؤں سے ہیں آنکھیں بھری ہوئی
بے پردہ ہی تجلّیِ ساقی ہر اشک میں
رنگِ خودی یہاں ہی نظر میں، نہ بیخودی

میرا مذہب

(۲۱۷)

جو مذہب گلستاں میں ہی شاخ و گل کا
جو مذہب بہاروں میں ہی جزو و کل کا
جو مذہب شعاؤں کا ہی ہر چمن میں
نظر آتی ہی راہ جو ہر کرن میں
ازل سے ہی پروانہ، پروانہ جس کا
وہ مسلک کہ ہی عشق دیوانہ جس کا

بہ فیضِ تجلّیِ شمعِ مدینہ
وہی میرا مذہب ہے اے چشمِ بینا

مجموعۂ اضداد

(۲۱۸)

داغِ سینہ، پرتوِ ماہِ تمام
لالۂ دل، شعلۂ آتش بجام

اشکِ مژگاں، اخگرِ افروختہ
سوزشِ دل، شبنمِ جنت مقام

نارسا، بیہم فغانِ عندلیب
خامشیِ دیدۂ نرگس، پیام

فائزِ خلد و ارم، سوزِ نفس
موجِ آوارہ، نسیمِ سرد گام

دیدۂ حیراں، مکمل آئینہ
عالمِ تصویر، نقشِ نا تمام

آدمی مجموعۂ اضداد ہی
آدمیت، معرفت کا ہی مقام

ہی قدم کا میکدہ جامِ عدم
یعنی، لا ہی، پرتوِ اِلّا کا نام

کچھ نہیں کے ساتھ ہی سب کچھ یہاں
ساتھ، دِل کے ہی خلائے دِل مدام

ہم نے پہچانا خدا کو بے دلیل
خود ہمیں معلوم ہی، اپنا قیام

منحصر سب کچھ ہی اُس کے فضل پر
حکم کے بندے ہیں گویاؔ والسلام

علامت

(۲۱۹)

راہ کے نقشِ مسافر کا پتا دیتے ہیں
کون کس شان سے گذرا ہی بتا دیتے ہیں

آپ پہچان لے تو اپنی روش سے خود کو — قدمِ مرد تو دنیا کو ہلا دیتے ہیں
اپنی ہستی کے تجھے معنیٰ بتاتا ہوں گے — شمع بے نور کو محفل سے اُٹھا دیتے ہیں

مرحبا کتنا ہی خود عزمِ ترقی اُنکو
درمیاں سے جو پہاڑوں کو ہٹا دیتے ہیں

جوہرِ ذاتی

(۲۲۰)

سونے کے تپانے سے تو بڑھتی ہی چمک اور — کیوں روز بدلتے ہیں زمانے کے تجھے دور
معلوم ہوا کوئی بھی جوہر نہیں تجھ میں — جامِ بکفِ غیر ہے کر دل میں ذرا غور

تعمیر و تخریب

(۲۲۱)

کوئی تعمیر نہیں ہوتی بغیر تخریب — دل بنانا ہو جسے خونِ جگر ہونے دے
چاند کا عکس سمندر سے یہ کہکر گذرا — وہ شناور ہی جو دامن بھی نہ تر ہونے دے
ضبط کر ضبط کہ ہو اشک کی قیمت کوئی — آنکھ میں رکھ ابھی قطرے کو، گہر ہونے دے

ہمّت کار

(۲۲۲)

(۲۲۲)

لوگ کہتے ہیں جس کو وہم و خیال
ہو اگر اُس میں بھی کچھ استقلال
وہ بھی اپنا اثر دکھاتا ہے
ہمّتِ کار کا نہ پوچھ کمال

(۲۲۳)

تجھ میں پنہاں ہیں سیکڑوں جوہر
ربطِ جہد و عمل سے کر پیدا
اہلِ جہد و عمل ہی دنیا میں
شام سے کرتے ہیں سحر پیدا

عکس ریز

(۲۲۴)

کیسا پردہ اگر ہو تیز نظر
برق ہوتی ہی "عکس ریز نظر"
پا ہی لیتی ہے رازِ در پردہ
شبِ عالم میں صبح خیز نظر
ظلمتِ خلق کچھ نہیں گویا
سوزِ دل کی ہو نور بیز نظر

مقصدِ زندگی

(۲۲۵)

میں نے پوچھا یہ موجِ دریا سے
مقصدِ زندگی بتا مجھکو
بولی، خود دیکھ تو مری جانب ___ کبھی پایا نھکا ہوا مجھکو

ہیں ازل سے رواں دواں ہو یہ ہیں
زندگی ہی یہی حقیقت ہیں
مقصدِ زندگی ترقی ہے
رہ کے لیکن حدودِ فطرت میں

عقل اور عشق

(۲۲۶)

عقل اگر ہے عقل تو صرف ہی فکرِ بام و در
عشق اگر ہے عشق تو اصل و بنائے مستقر
عقل میں اور عشق میں نسبت فرش و عرش ہے
عقل ہنوز راہ میں، عشق ہے، بامِ عرش پر
دیکھ کے رفعتِ جلیل، محوِ نظر تھے جبرئیل
عشق ہی ماورائے فہم، عقل، رہینِ بال و پر
عقلِ بشر ہی خود غرض یعنی بجائے خود مرض
عشق، دوائے ہر مرض، جوہرِ سوز و حق نگر
عقل سے جب چلا نہ کام، دل سے لیا خدا کا نام
عشق کی آہ حشر خیز، عقل کا راگ بے اثر
چشمِ خرد میں کائنات، عشق میں نکتۂ حیات
عقل کی داستاں طویل، عشق کی بات مختصر
سچ ہے بغیر عشق کے سہل نہیں نجاتِ دل
عشق ہی ساحلِ حیات، عقل بجائے خود بھنور
گویا ہی عقل و عشق میں ظلمت و نور ہی کا فرق
عقل خودی میں غرق ہے، عشق، خدا میں غور کر

مذہب و فلسفہ

(۲۲۷)

وہ فلسفہ ہی جس کا اثر ذہن تک ہے
مذہب وہ ہی کہ جس سے بدل جائے زندگی
رکھتا ہے فلسفہ ہمیں محوِ خیال ہی
مذہب یہ چاہتا ہے سنبھل جائے زندگی

حکمیات

(۲۲۸)

پہلے ظرفِ نگاہ پیدا کر
پھر بقدرِ نظر تقاضا کر

گفتگو چھوڑ دے نظر پہچان
ہوش کو روشناسِ ایما کر

کامیابی بقدرِ ہمت ہے
اپنی کوتاہیوں کا شکوہ کر

شکوۂ کشش جہت بجا لیکن
کبھی اپنی طرف بھی دیکھا کر

ذوقِ توحید اور پریشانی
خاطرِ منتشر کو یکجا کر

ذرّے کی کائنات دیکھتا ہی
ذرّے سے کائنات پیدا کر

باہمہ ہو گے، بے ہمہ کی تلاش
ہو گے تنہا، تلاشِ تنہا کر

ہی بہار اتحادِ خار و گل
دوست، دشمن سے ربط پیدا کر

ظرف اپنا دکھا دیا تو نے
بات بھی کھوئی ہاتھ پھیلا کر

اذنِ سجدہ ہی خود نشانِ قبول
ای جبینِ نیاز سجدہ کر

ہاتھ مخلوق سے اُٹھا گویا
خالقِ پاک پر بھروسا کر

ترانۂ فطرت

(۲۲۹)

اپنی ہی حد میں آدمی خلق کا تاجدار ہے — خود ترے اختیار میں یہ حدِ اختیار ہے
دائمی جدّ و جہد کا نام یہاں قرار ہے — دیکھ سکونِ بحر میں جنبشِ صد ہزار ہے
پست و بلند سے گذر، دل ہی اگر تو اور اُبھر — ارض و سما ہیں راہ میں، راہ بے اعتبار ہے
زندہ ہے، دے ثبوت اگر ہستیٔ دائمی کا کچھ — ورنہ جہاں میں آدمی زیست کا اک مزار ہے
دل کا وہ مصرفِ بلند ہوگا بہت عظیم ہی — جس کے لئے یہ کائنات دیر سے صرفِ کار ہے
جتنا وجودِ دوست ہم پاتے ہیں دل میں بالیقیں — اپنے وجود کا ہمیں اُتنا ہی اعتبار ہے
ذرّوں کا بننا آفتاب کُل کا مشاہدہ نہیں — فطرتِ ذرّہ پروری آج بروئے کار ہے

گویا ہے کس خیال میں شکوۂ بال و پر عبث
راہِ عروج میں یہاں شوق کا اعتبار ہے

قدرِ گوہر

(۲۳۰)

دلِ انسان! گہرِ بحرِ حقیقت تو ہے
خود کو پہچان، سرِ دامنِ فطرت تو ہے
یہ نمائش نہیں دارین کی قیمت تو ہے
یہ بتاتا ہے تجھے، حاصلِ خلقت تو ہے

تیری نظروں میں تری قدر بڑھانے کیلئے
تجھکو آنکھوں میں جگہ دی ہے دکھانے کیلئے

آدمی! تجھکو گلہ اور تہی دامانی کا
تیرے دامن میں صدف گوہرِ عرفانی کا
اس سے ظاہر ہے شرف رتبۂ انسانی کا
آدمی کون؟ فلک عالمِ امکانی کا

اپنے گوہر کو نہ پہچانے تو قسمت تیری
تجھ میں خود سر بگریباں ہے جہالت تیری

تقدیر

(۲۳۱)

جسکی محفل میں مہر و ماہ و نجوم
پا رہے ہیں نصیب کا مقسوم
دیکھ کر خود اُسی کی چشمِ کرم
ذرہ بھی کہہ رہا ہے یا قیوم

اور ہی کچھ ہے اے دلِ گویا
ذرہ و مہر کا یہاں مفہوم

صدائے نَے

(۲۳۲)

صدائے نے میں کوئی اور لے نہیں ہوتی
نہو جو خالی خودی سے وہ نے نہیں ہوتی

نہوتی یاد میں ساقی کے دلفگار اگر
تو نَے کے نالوں میں تاثیرِ مے نہیں ہوتی

چراغِ صنم خانہ

(۲۳۳)

وہ کیا چراغ جو ہو زینتِ صنم خانہ
نہ محوِ سوزِ حقیقت، نہ اپنا دیوانہ

چمک دکھانہ زیادہ دلِ اسیر جہاں!
نظر شناس ہی شمعِ حرم کا پروانہ

شاعرِ گمراہ و راہ یاب

(۲۳۴)

گم کردہ راہِ راست وہ شاعر ضرور ہی
قول و عمل کا جس کے نہ کچھ اعتبار ہو

جو کچھ کہے زباں سے کرے اُس کے خود خلاف
راہِ عمل میں جس کا قدم بے وقار ہو

کیا کاروانِ دل کو وہ رستا دکھائیگا
گم راہ جو خود آپ مثالِ غبار ہو

اُس کے لئے خود اُس کی ہی فطرت کا حکم ہی
گم ایک ایک وادی مین دیوانہ وار ہو

البتہ ایسا شاعرِ دانا ہے راہ یاب
فطرت کے دین کا جو یہاں رازدار ہو
خورشید کی شعاعوں سے لیکر پیامِ نور
شامِ جہاں میں جسکی نظر صبح کار ہو
یعنی ہر اشک جس کا ہو لبریزِ سوز و ساز
مثلِ ستارۂ سحری نور بار ہو

شاعر نہیں وہ محرمِ اسرارِ سوز و ساز
جس کی نوا سے سنگ میں پیدا شرار ہو

لسانِ فطرت

(۵۳۲)

جو اہلِ یقین ہو ترجمانِ فطرت
ہر اشک ہو جس کا ہمزبانِ فطرت
وہ شاعرِ فطری و حقیقی لاریب
نقاشِ حقیقت و لسانِ فطرت

باب پنجم، ندائے بیداری

(۲۳۶)

شبِ غم میں جب انساں پیکرِ فریاد ہوتا ہے
تو ہر تارہ سحر کا شام ہی سے یاد ہوتا ہے

ہمیشہ انقلاب آنے سے پہلے دل بدلتے ہیں
دلوں کا جاگ اٹھنا صبح کی بنیاد ہوتا ہے

صبح کے تارے

(۲۳۷)

صبح کے تارے چمکینگے کب ہوگی یا رب دل کی سحر — دیکھینگی نگاہیں سوئے فلک، راتوں کو کب تک اُٹھ اُٹھ کر
…کو دن کرنیوالے، اے جامِ سحر بھرنے والے! — غیروں کی طرف سے پھیر کے منھ، ہے تیری جانب دل کی نظر

(۲۳۸)

تیرہ بختی! یہ بتا آنسو ہمارے کیا ہوئے — جو سحر کرتے تھے پیدا وہ ستارے کیا ہوئے
ہے چراغِ غیر پر قربان شرم آتی نہیں — آہ پروانے کی ہستی کے شرارے کیا ہوئے

(۲۳۹)

چند آنسو جو ہو چکے تھے قبول — بن کے تارے دمِ سحر چمکے
جو جھلکتے رہے سرِ مژگاں — یہ ستارے تھے چشمِ پرنم کے
جن میں پنہاں تھے سینکڑوں اسرار — کچھ مسرت کے اور کچھ غم کے
چند تصویریں سوزِ ماضی کی — چند عنوان دردِ پیہم کے
یہ ستارے تھے چشمِ پرنم کے

(۲۴۰)

اہلِ مشرق ہے تو مشرق کی نظر پیدا کر — مطلعِ دید سے خورشید و قمر پیدا کر
صرف آنسو نہ بہا ظلمتِ موجودہ پر — چشمِ تر اپنے ستاروں سے سحر پیدا کر

کہتا ہے دمِ صبح یہ مشرق کا ستارہ، بیدار ہو مشرق (۲۴۰) — کیوں محوِ فنا ہے تری ہستی کا شرارہ، ہشیار ہو مشرق
تو مشرقِ خورشید ہے، مشرق ہے ترا نام، پُر نور ترا جام — تو اور زمانے میں رہے بادلِ ناکام، اُف صبح بنے شام
ہر ذرہ تری خاک کا تابندہ گہر ہے، یا انجمِ سحر ہے — افسوس خود آگاہ نہ ہونے کا اثر ہے، خود خاک بسر ہے
اٹھ ارضِ وطن جاگ کے پیغامِ سحر لے، خود مجھ سے نظر لے — بھر جام مرے اشکوں سے اور مجھ سے اثر لے، پیغامِ سحر لے

طلوعِ سحر

(۲۴۱)

صبح کے تارے ہیں سرِ منزل — قافلے والے ہیں مگر غافل
کوئی آثار زندگی کے نہیں — ریگِ صحرا ہے، کاروانِ دل
اُڑ رہا ہے ہوا کے جھونکوں میں — راہ و منزل میں فرق ہے مشکل
سینہ سینہ ہے بے تلاطمِ شوق — نہیں موجوں میں جذبۂ ساحل
اشک خالی ہیں سوزِ ہستی سے — گوہروں میں نہیں ہے جوہرِ دل
ایسے عالم میں کیا طلوعِ سحر — ہر پیامِ حیات، لاحاصل
جو ہو بیدار رہے سحر اُس کی — ذرۂ خاک ہو کہ پارۂ دل

کہہ رہا ہے تغیرِ منظر
ہے شفق، مژدۂ طلوعِ سحر

جب ستاروں کا خون اُچھلتا ہے — تو شفق کا چراغ جلتا ہے
دل کی دنیا میں آفتاب سحر — سینوں کے چاک سے نکلتا ہے
چشمِ پُرسوز ہی کے اشکوں سے — چشمہ خورشید کا اُبلتا ہے
محفلِ شب کا دیکھ کر انجام — جام و مینا کا رُخ بدلتا ہے
مرگِ ہستی مآلِ عیش و نشاط — پتا آثار سے یہ چلتا ہے
جوہر سوز و گوہر ہستی — قالب اشک ہی میں ڈھلتا ہے
نہ رُکی شب سے صبح کی آمد — کس کے ٹالے سے وقت ٹلتا ہے

یہ تو گویا نظامِ قدرت ہے
حدِّ شب صبح کی بشارت ہے

رات رخصت ہوئی سحر چھائی — پھر سے دنیا نئی نظر آئی
دیکھ کر انقلاب محفل کا — سخت حیراں ہے چرخ مینائی
رنگ لایا ستاروں کا ایثار — زندگی کی بہار اُبھر آئی
ذرّہ ذرّہ ہے دیدۂ بینش — اسکو کہتے ہیں عالم آرائی
منھ چھپانے کو جب جگہ نہ ملی — سایہ کرنے لگا جبیں سائی
اللہ اللہ بہار کا عالم — جو نظر اُٹھی پھول بھر لائی

خشک شاخوں میں کونپلیں پھوٹیں سوکھی کھیتی ہری نظر آئی

ساقیٔ صبح ہو کرم کی نظر

مانگتا ہوں یہی طلوعِ سحر

دردِ دل

(۲۴۲)

درد بخشا ہے جب مجھے یارب سننے والوں کو دل بھی دے یارب

نالۂ دل صدا بصحرا ہے غم سناؤں یہاں کسے یارب

(۲۴۳)

زندگی کے یہ معارف، یہ بیاں خاک سمجھینگے غلامانِ جہاں

سَلَفِ زندہ کی باتیں گویا کیا سناتا ہے تو مردوں کو یہاں

(۲۴۴)

طائروں میں نہیں پرواز کی ہمت باقی رہگیا ہے فقط افسانۂ حسرت باقی

وہ بھی آتا ہے زباں پہ بڑی مشکل سے نہیں معلوم ابھی کتنی ہے ذلت باقی

(۲۴۵)

ہیں سیاست کے مدعی لاکھوں نہیں لیکن کوئی سپہ لار

زورِ حیدر ہو جنکے بازوؤں میں وہ مجاہد نہ وہ علمبردار

(۲۴۶)

سینوں میں ہو جو آتشِ غیرت دبی ہوئی
اِن آنسوؤں سے آگ کے شعلے بھڑک اُٹھیں

ہے جسمیں حیف عزّتِ ملّت دبی ہوئی
مضبوط کر رہے ہیں خود ہی اُس بِنا کو ہم

(۲۴۷)

جاگے نہ خفتگانِ چمن عندلیب سے
نغموں سے کام چل نہ سکا صورِ حشر کا

آثار آ رہے ہیں نظر کچھ عجیب سے
جاگیں نہ آج، کل خود ہی محشر جگائیگا

(۲۴۸)

یہ حال کا ثبوت، وہ ماضی کی داستاں
شیروں کی گونج اور صدائے شغال اور

دنیا کی زندہ قومیں کہاں اور ہم کہاں
دونوں صداؤں میں ہے زمین آسمان کا فرق

تعارف

(۲۴۹)

دِلِ ناداں نہیں ہے یہ عرفان
کیا دکھاتا ہے صورتِ ماضی

اُس مرقع میں آپ کو پہچان
آج دنیا کا جو مرقع ہے

کل یہ مانا بڑی تھی تیری شان
آج کچھ امتیاز اپنا بتا

کیوں نہیں ملتی یہ بتا ناداں
کل کی صورت سے آج کی صورت

نظر آتی ہے کیا خدا کی شان
خود شناسی خدا شناسی ہے

ہم جو بدلے بدل گئی دنیا
آج کچھ اور ہی ہیں ارض و سما

قدر اپنی نہ جو خود ہی جانے (۳۵۰) اُس کو دنیا میں کون پہچانے
ہو کے شرمندۂ تعارفِ غیر ہیں تماشائے خلق دیوانے

اذانِ منزل

(۲۵۱)

عبث ہے تیرے لئے ہر ندائے بیداری نہ سمجھا تو نے اگر مدعائے بانگِ سحر
ابدی زندگیٔ قوم، ازلی بیداری خود اس اذاں میں نہیں کونسی ندا مضمر

نوجواں سے خطاب

(۲۵۲)

دشت و جبل لرز اُٹھیں دیکھ کے جس کی شان کو اپنا قدم تو اس طرح ہمتِ نوجواں اُٹھا
برق و شفق سے لے سبق ساغر و جام پھینک کر خنجر خوں چکاں اُٹھا، تیغِ شرر فشاں اُٹھا
بیچ میں ہوں پہاڑ اگر پھینک دے خود اُکھاڑ کر ہاتھ سے اپنے تو ہر ایک حائلِ درمیاں اُٹھا
لاکھ پتنگے ہو گئے ساتھ چراغِ بزم کے
سینوں میں آگ لگ گئی دل سے جہاں دھواں اُٹھا

ترانۂ ملّت

(۲۵۳)

یہ مدعا ہے کوئی حد نہیں ترقی کی
نظر کو خلق سے آگے بڑھائے جا مسلم

بتانِ دہر خدا، لا الٰہ الّا اللہ
غرورِ دیر و کلیسا مٹائے جا مسلم

صدائے عظمتِ اغیار تو فسانہ ہے
ترانہ لیس کمثلی کا گائے جا مسلم

خود اپنی قوتِ بازو سے راہ پیدا کر
قدم کو جانب منزل بڑھائے جا مسلم

سمجھ لیا ہے تجھے مردہ، مردہ خواروں نے
حیاتِ تازہ سے ششدر بنائے جا مسلم

ترا ہر ایک قدم کوہِ استقامت ہو
ثبات و عزم کا سکہ بٹھائے جا مسلم

دکھا دے سطوتِ فاروق پھر زمانے کو
علی کے نام سے پھر دل ہلائے جا مسلم

(۲۵۴)

توحید سے بیگانہ ہے تفریق پرستی
اسلام فقط ایک ہی شیرازۂ ہستی

افراد بکھر جائیں گے جو شیرازۂ ملت
مٹ جائیں گے خود بھگتنگے خمیازۂ مستی

(۲۵۵)

مسلم کی استقامت توحید کی سند ہو
جو کچھ بھی ہو زباں پر گویا احد احد ہو

سینوں میں غازیوں کے ٹکڑے نہیں دلوں کے
ایمان کی سند ہے، ایمان مستند ہو

انقلاب

(۲۵۶)

تشنہ لب جب ہر اک حباب آئے
کیوں فضا میں نہ انقلاب آئے

کیوں نہ ہو پھر تلاطم پیہم
کیوں نہ طوفانِ بے حساب آئے

کیوں نہ منڈلائیں قہر کے بادل
کیوں نہ اللہ کا عذاب آئے

کیوں نہ برسیں فلک سے انگارے
آگ ہو کر نہ کیوں سحاب آئے

کیوں نہ اُٹھے فریب کا پردہ
کیوں نظر ہر طرف سراب آئے

ظلم و ظلمت کی انتہا ہو جب
کیوں قیامت نہ بے نقاب آئے

بحرِ رحمت کو یہ نہیں منظور
موج پیاسی بروئے آب آئے

ظلم کا حشر ہی قیامت ہے
ظالموں پر خدا کی لعنت ہے

(۲۵۷)

سو بار زمانہ بدلا کرے دل ہی نہ اگر بدلے تو کیا
یہ دنیا بگڑے یا سنبھلے ہم ہی نہ اگر سنبھلے تو کیا

ہم ہی سے ہماری دنیا ہے، ہم دنیا سے ہرگز بھی نہیں
نکلے نہ اگر ہم ظلمت سے، خورشید سحر نکلے تو کیا

(۲۵۸)

پھر مسلماں کو مسلماں تو بنا دے یارب
عملاً صاحبِ عرفاں تو بنا دے یارب

عشقِ احمد کی ہو سینے میں مکمل تفسیر
ہمہ تن معنئ قرآں تو بنا دے یارب

نعرۂ مجاہد

(۲۵۹)

قوت حق سے ہلا دونگا میں باطل کی بنا
پھر سے ڈالوں گا میں منجدھار میں ساحل کی بنا
میں مجاہد ہوں زمانے کی ہیں راہیں کیا شے
میرے قدموں سے پڑا کرتی ہے منزل کی بنا
فاتحِ عالمِ امکاں ہیں یہ بازو میرے
ذکر ہیں ارض و سمٰوٰت میں ہر سو میرے
میرے نعروں کی گرج آج ہی ایوانوں میں
انگلیاں اہلِ دوَل کی ہیں ابھی کانوں میں
لاکھ حربوں کا جواب ایک صدائے تکبیر
بجلیاں کوندگئیں رزم کے میدانوں میں
آسماں کیا ہے، زمیں کیا ہے، زمانہ کیا ہے
میں زمانے کو بتا دوں گا فسانہ کیا ہے

مسجودِ ملائکہ

(۲۶۰)

انسان ہے آئینۂ اسرارِ حقیقت
قرآن کی بالرائے یہ تفسیر نہیں ہے
دنیا تو سمجھ لے تجھے مسجودِ ملائک
خود تیری نظر میں تری توقیر نہیں ہے

پیامِ حیات

غزل

(۳۶۱)

قدم رکھتے جہاں روح الامیں تھرائے جاتے ہیں — وہی منزل ہے جس میں دل کے معنی پائے جاتے ہیں

وہی ہل چل کے کرتے ہیں فضائے طور خود پیدا — جو ذرّے مشتعل سوزِ جگر میں پائے جاتے ہیں

گُلِ مقصود چاہے تو شرارِ زیست پیدا کر — دلِ پُر سوز میں صد ہا گلستاں پائے جاتے ہیں

اُنھیں اشکوں سے چشمِ تر دلِ خوددار پیدا کر — قدم پر غیر کے گرنے سے جو شرمائے جاتے ہیں

بڑھا کرتے ہیں جب دل تو یہی معلوم ہوتا ہے — کہ مثلِ ابر اُٹھ کر آسماں پر چھائے جاتے ہیں

زمانہ قوتِ فریاد ہی محسوس کرتا ہے — تڑپتے جو نہیں وہ اور بھی تڑپائے جاتے ہیں

جو ہو سیراب ہونا تو سراپا جوشِ دل ہو جا — ہمیشہ سینۂ طوفاں میں دریا پائے جاتے ہیں

لیا کرتی ہیں تو مید کام جن سے صورِ محشر کا — وہ نالے تا لبِ آتے نہیں ہیں لائے جاتے ہیں

تنگ ظرفوں کو ساقی! وسعتِ دریا عطا کر دے — یہ آنسو اپنی جانب دیکھ کر شرمائے جاتے ہیں

دگھبرا شمعِ منزل اپنی تنہائی سے منزل میں — ابھی اُڑ اُڑ کے پروانے ہزاروں آئے جاتے ہیں

کبھی خورشید بن کر خود درِ مشرق سے چمکیں گے — جو ذرّے گنبدِ مغرب سے سر ٹکرائے جاتے ہیں

دلوں کی آرزوؤں سے خدا واقف ہے اے گویاؔ
سفینے اپنے ساحل کی طلب میں پائے جاتے ہیں

مقامِ آدمیت

(۲۶۲) آدمیت کی جگہ عرش کے اسراروں میں
آب و گِل میں نہیں اے آدمی کر دِل سے تلاش
آسماں ہونگے ترے غاشیہ برداروں میں
تو جو ہو جائے خدا کا تو خدائی کیا ہے

(۲۶۳)

جس راہ نے انسانی معراج کو دیکھا ہے
خیز ای دلِ مسلم! تو اُس راہ کا ذرہ ہے
کیوں خاک میں تو خود کو اے عرش مِلاتا ہے
تو اور رہِ پستی، افسوس ہزار افسوس

ترانۂ حیات

(۲۶۴)

اِسلامیوں سے پوچھ تو راز اِس حیات کا
نعروں سے رُخ بدل ہی دیا کائنات کا
یہ فلسفہ ہے اور حیات و ممات کا
جذبہ ہے غازیوں میں خدا ہی کی ذات کا

جیتے ہیں جان دیکے خدا پر یہاں شہید

لاریب راہِ حق میں شہادت ہے عین دید

مانا نہ کوئی چیز کسی امتحان کو
سمجھا نہ اپنی جان مجاہد نے جان کو
باطل کا سر جھکا کے دکھایا جہان کو
ٹوکا ہزار بار حریف آسمان کو

لے کر خدا کا نام فسانہ بدل دیا

قربانیوں سے اپنی زمانہ بدل دیا

ہم نے جہانِ دیر کو کعبہ بنا دیا
کوئی خدا بھی ہے یہ جہاں کو بتا دیا
یعنی نگاہِ دہر سے پردہ اٹھا دیا
تبدیل کر کے منظرِ دنیا دکھا دیا

ظلمت کے بادلوں سے چمک کر مثالِ برق
اہلِ ہلال نکلے، بنے آفتابِ شرق

ہے جذبِ خدا ہی اپنا ترانہ حیات کا
تکبیر زمزمہ ہے خدا ہی کی ذات کا
قائل ہے دل نہیں کسی لات و منات کا
کیا تذکرہ ہے بتکدۂ کائنات کا

اتنی کمی ہے دل وہ ہمارے نہیں رہے
ورنہ یہ آسمان رہے، یہ زمیں رہے

تکبیر اور نعرۂ اسلام ایک ہے
ہم ایک ہوں تو منزلِ انجام ایک ہے
دنیا میں نمازیوں کیلئے کام ایک ہے
ہم جس کو بھول بیٹھے ہیں وہ نام ایک ہے

مسلم! خدا کی راہ میں جدّ و جہاد کر
بھولے ہوئے ترانۂ ہستی کو یاد کر

(۲۶۵)

ہمّت بے انتہا میں زندگی کا راز ہے
ساری دنیا سے نرالا زیست کا انداز ہے
جب کوئی طائر نہ گھبرائے قفس کو دیکھ کر
جان لو فطرت بدل جانے کا اب آغاز ہے

برزستان

(۲۶۶)

جہاں زیست اور موت دونوں برابر
جہاں بندگی اور غلامی ہے یکساں
جہاں جھیڑیں ہیں اور گڈریے کے سجدے
ہے اُس ملک کا نام، مُلکِ برزستاں

سیلِ حیات

(۲۶۷)

روانی کا اپنی سفینہ ہے تو
ترقی کا خود اپنی زینہ ہے تو
سفینہ ترا ٹوٹ سکتا نہیں
مقدر ترا پھوٹ سکتا نہیں
زمانہ تجھے ٹوک سکتا نہیں
ترقی تری روک سکتا نہیں
نہ افسردہ دل میں ہو اے نوجواں
ہزاروں تلاطم ہیں تجھ میں نہاں
نہیں رُکتا روکے سے سیلِ حیات
بدلتی نہیں فطرتِ بحرِ ذات
نہ قطرہ سمجھ خود کو سیلاب بن
بہر لحظہ طوفان و گرداب بن
بہادے خس و خار کو بے دریغ
ترقی کی لہر موج شمشیر و تیغ
نہیں جو تنک ظرف و کم آبرو
نہ ہو کوزۂ آب میں بند تو
کہ طوفان محدود ہوتے نہیں
ترقی کو اپنی ڈبوتے نہیں

رُکے جو وہ جوشِ ترقی نہیں ۔۔۔ کبھی اوس سے پیاس بجھتی نہیں
بناتا ہے سیلاب خود راستہ ۔۔۔ نہیں دیکھتا راہِ آراستہ
ترقی، ترقی کے میدان میں ۔۔۔ بڑھے جا اگر جان ہی جان میں
ارے زیست ہے جذبۂ ارتقا ۔۔۔ ترقی کی کوئی نہیں انتہا
جہاں تک بڑھے دل بڑھے جائیگا ۔۔۔ کھلا راستہ سامنے پائیگا
حوادث سے اے دوست ڈرنا نہیں ۔۔۔ کوئی خوف واندیشہ کرنا نہیں
بغیر کشاکش نہیں ارتقا ۔۔۔ خود ہی دیکھ بڑھنا کسی موج کا
کہ بڑھتی ہے کس جوش اور شان سے ۔۔۔ اُمنڈتے ہیں جس طرح طوفان سے
پہاڑوں کی آڑوں سے لڑتی ہوئی ۔۔۔ مخالف پہاڑوں سے لڑتی ہوئی
مقابل کو اپنے بہاتی ہوئی ۔۔۔ کنارے کی بنیادیں ڈھاتی ہوئی
زمینوں کو دریا بناتی ہوئی ۔۔۔ تلاطم میں طوفاں اُٹھاتی ہوئی
جڑیں جھاڑیوں کی ہلاتی ہوئی ۔۔۔ اِدھر سے اُدھر آتی جاتی ہوئی
تلاطم میں بھی گنگناتی ہوئی ۔۔۔ تموج میں بھی مسکراتی ہوئی
کشاکش کی پروا نہ کرتی ہوئی ۔۔۔ ہر اک کشمکش میں اُبھرتی ہوئی
درختوں کو جڑ سے اُکھاڑا اُدھر ۔۔۔ مخالف کو اپنے پچھاڑا اِدھر

اِدھر تختِ نمرود لرزا دیا — اُدھر قصرِ فرعون کا ڈھا دیا
بھر لحظہ ساحل سے اپنے قریب — تڑپ حیرت افزا ترقی عجیب
اسے کہتے ہیں اصل میں اِرتقا — سمجھ نوجواں زیست کا منتہا

ترقی کی گویا وہی راہ ہے
جہاں آدمی مہر ادر راہ ہے

شاخ وگل

(۲۶۸)

میں بتاتا ہوں تجھے گلشنِ ایجاد کا راز — غیر کیا جانیں یہ گلزار کی بنیاد کا راز
شاخ سے ہو کے جدا گل نہیں رہتے باقی — ربطِ ملّت ہی میں ہے ہستیٔ افراد کا راز

آئینۂ خودشناسی

(۲۶۹)

سامنے تیرے وہ آئینۂ فولادی ہے — شکل ہستی کی دکھاتا ہے جو اس عالم میں
ہاتھ میں حضرتِ خالدؓ کے رہا جو برسوں — زنگ خوردہ وہی آئینہ پڑا ہے ہم میں

(۲۷۰)

ظرف سینوں کے بڑھا دیتی ہے خود قربانی — ہر نفس اپنی ہی کوتاہی سے دل ضیق میں ہے
خودشناسی کیلئے لاکھوں صفا کے گوہر — ہر مسلماں کیلئے دامنِ صدیق میں ہیں

جواہرِ عمل

(۲۶۱)

دل میں جب درد کا طوفان نہیں رہتا ہی — قربِ ساحل کا پھر امکان نہیں رہتا ہی
جوشِ ایمان و عمل کھو کے جہاں میں انساں — ہے جو کچھ بھی، مسلمان نہیں رہتا ہی

(۲۶۲)

بے سبب موج بہر لحظہ تلاطم میں نہیں — سعیٔ پیہم کا سبق دیتا ہی دریا تجھکو
کون سا ذرۂ عالم نہیں سرگرمِ عمل — کس طرف دیکھ لئے جاتی ہی دنیا تجھکو

(۲۶۳)

وعدۂ حق بھی ہی سچ اور مسلماں بھی ہی تو — پھر بنایا تجھے حاکم کے بجائے محکوم؟
ہوا معلوم ابھی دل سے مسلماں نہیں تو — تیرے اسلامِ مجازی کی حقیقت معلوم
تو کہ دنیا میں ہی ہر طاقتِ غالب کا غلام — تجھکو اسلام سے کیا کام غلامِ محکوم

(۲۶۴)

تری معراج تو مسلم انھیں قدموں سے وابستہ — نہ پہونچا عرش بھی جن کے عروجِ منتہائی کو
مسلماں اے زبوں ہمت بہت خود دار ہوتا ہی — بس اب تو چاک ہی کر ڈال دامانِ گدائی کو

(۲۶۵)

قوم ہو جاتی ہی جب کوئی ضعیف الایماں — تو جگہ جہد و عمل کی لیا کرتی ہی زباں
حاصلِ اسلام کا دو چیزیں ہیں، ایمان و عمل — نظر اللہ پہ اور جہد و عمل بے پایاں

(۲۷۶)

اُس دورِ عمل میں اے گویا کچھ کرنیوالے کر گذرے
جب موت کے منہ سے غازی دل شیروں کی طرح بے ڈر گذرے

یہ بات نہیں ہے اب ہم میں کچھ ہیں تو خالی باتیں ہیں
یا کچھ ہیں خواب کے افسانے یا دل کی خیالی باتیں ہیں

ظاہر ہے خالی باتوں سے چل سکتے نہیں ہیں کام یہاں
بھونچالوں سے جانچے جاتے ہیں تعمیروں کی استحکام یہاں

(۲۷۷)

اے مسلمانو اُٹھو دل سے مسلماں ہو جاؤ
حق واحد کیلئے جان سے قرباں ہو جاؤ

پیدا کر لو تم اگر آپ میں جذبِ توحید
منتشر ذروں سے خورشید درخشاں ہو جاؤ

(۲۷۷/۱)

ہوں عمل جس کے غیر پائندہ
قوم رہتی نہیں ہے وہ زندہ

ہر ستارہ نظام سے اپنے
رہا وابستہ ہو کے تابندہ

۲۷۷/۲

دفن ہے اپنے ہی اوہام میں ہستی تیری
بن گئے قبر تری خود ہی ترے مردہ علوم

زندہ ہوتا تو اُلٹ دیتا قلعہ ظلمت کا
علم زندہ کا بتا دیتا عمل سے مفہوم

روحِ عمل

(۲۷۸)

آنکھوں میں اشک، دل میں تلاطم، جگر میں سوز
جو تجھ میں بیقرار ہے وہ تیری روح ہے

گہر میں موج، موج میں ساحل کی جستجو
جو تجھ میں بے کنار ہے وہ تیری روح ہے

سینے میں نور، نور میں اسرار کا ظہور — جو تجھ میں نور بار ہے، وہ تیری روح ہے
فہم و ارادہ و عمل اک شاخِ برگ و گل — جو اصلِ ہر بہار ہے، وہ تیری روح ہے
بیدار دل اگر ہو تو بیدار زندگی — جو تجھ میں غم شرار ہے، وہ تیری روح ہے
عظمت پہ آدمی کی تری روتا نہیں ہے دل — جو تجھ پر اشکبار رہے، وہ تیری روح ہے

(۲۷۹)

فطرتِ روح سمجھتی ہے اسیری کو عذاب — کبھی صیاد سے مانوس نہیں ہوتا ہے عقاب
مردہ طائر ہے جو صیاد کا دم بھرنے لگے — فطرتِ مسخ کی باتوں کا خموشی ہے جواب

(۲۸۰)

مکھیوں میں کہاں وہ سوزِ طلب دیوانے! — جان جس پر دیا کرتے ہیں یہاں پروانے
کامیابی نہیں عالم میں بغیرِ ایثار — دلِ غلاموں کا زمانے کے اسے کیا جانے

راہِ عمل

(۲۸۱)

نہیں بغیر تلاطم سکون دریا کو — تڑپ ہے دل کی بساطِ قرار پیدا کر
نتیجہ تیرے عمل پر ہے منحصر گویا — مآلِ فہم یہ ہے، ذوقِ کار پیدا کر

(۲۸۲)

کشتیٔ دل نہ ڈر تلاطم سے
موج و طوفاں کا کچھ خیال نہ کر
ناخدا تیرا ہے، خدا تیرا
ہے بھروسا تو قیل و قال نہ کر

(۲۸۳)

ممکن نہیں کہ پھول نہ پیدا ہوں خار میں
تبدیل کس طرح نہ خزاں ہو بہار میں
انسان کے عمل میں نہاں ہیں عجب چمن
جنت چھپا کے رکھی ہے آغوش کار میں

(۲۸۴)

اے دل ہیں جس قدر بھی حجابات درمیاں
دراصل ہیں یہ سب تری ہمت کے امتحاں
تیرے عمل میں جتنی بلندی کی ہو تڑپ
اتنا ہی ہے قریب ترا تجھسے آسماں

(۲۸۵)

آنکھیں ہیں کس خیال میں ایثار کے بغیر
آنسو چمکتے ہیں لہو افشانیوں کے بعد
ہوتا ہے ہر ستارے میں خونِ دلِ شفق
ہستی فروغ پاتی ہے قربانیوں کے بعد

حسبِ حال

(۲۸۶)

جو نہیں ہے بے نیازِ غیر ایماں ہی وہ کیا
غیرتِ دینی نہ ہو جس میں مسلماں ہی وہ کیا
جن کو ہم پھیلا چکے ہوں دوسروں کے سامنے
رحمتِ رب کیلئے مخصوص داماں ہی وہ کیا

(۲۸۷)

جو قدرِ بندگیٔ حق نہ کر سکے دل سے
غلامِ غیر بنائے گئے یہاں وہ لوگ
جنھوں نے پائی نہ رفعت حرم کے سجدوں میں
غبارِ دیر بنائے گئے یہاں وہ لوگ

(۲۸۸)

اسلاف کا اور ہندی مسلمان کا ایمان
نسبت کوئی دونوں میں، بجز نام نہیں ہے
وہ حق کے پرستار تھے، ہم بندۂ اغیار
گویا یہ ہیں اک منزلِ انجام نہیں ہے

(۲۸۹)

غلامِ غیر کا مذہب کوئی نہیں ہوتا
خود اپنے بس میں غبارِ زمیں نہیں ہوتا
ہوا کا رُخ ہی جہاں دیکھنا ضروری ہو
وہاں تعینِ دنیا و دیں نہیں ہوتا

غلاموں کا مذہب

(۲۹۰)

ہے مذہب تو اسلام یا حق پرستی
غلاموں کا مذہب ہے ناحق پرستی
زمانے کے محکوم، دنیا کے بندے
عمل جن کے ناپاک اخلاق گندے
پجاری بتوں کے بجائے خدا کے
ہیں دربانِ بتخانہ، پتلے وفا کے
عجب چیز ہے اللہ اللہ غلامی
قدم ڈھونڈھتی ہے جبینِ سلامی

انتظارِ شرفِ باریابی

سرِ بتکدہ بے بلائے کھڑے ہیں
بڑی دیر سے لو لگائے کھڑے ہیں
خدا جانے مقبول کب تک دعا ہو
شرف باریابی کا کب تک عطا ہو!

فخرِ غلامی

بڑا فخر ہے خاکِ پائے صنم ہیں
قدم بوس کہتے ہیں افلاک ہم ہیں
بظاہر غلاموں کو دیکھو تو حیرت
بڑے کرّ و فر ہیں بڑی شان و شوکت

حقیقتِ حال

مگر دامنوں میں چھپائے ہوئے ہیں
جو داغِ مذلّت اٹھائے ہوئے ہیں
نہ کچھ جن کی ہستی نہ کچھ جن کا ہونا
کہ دنیا کھلاڑی ہے اور وہ کھلونا
اگر بازی گر کا اشارہ بھی پائیں
زمانے کو سو سو تماشے دکھائیں

مذہبی جنگیں

مگر ستم آپس میں ہیں جنگ یہ ہے
اُدھر رنگ وہ ہے، اِدھر رنگ یہ ہے
تماشائے عالم، عقائد کی جنگیں
خیالی لڑائی خیالی تفنگیں
لڑے جا رہے ہیں مرے جا رہے ہیں
شگافِ لحد کو بھرے جا رہے ہیں
تماشا دکھاتے ہیں دنیا کو اپنا
نہ مسلک، نہ مذہب، نہ دنیا، نہ عقبیٰ

زمانے نے خس کم جہاں پاک کہہ کر
کیا دفن لاکھوں غلاموں کو اکثر

غلامی؟

غلامی جدائی ہے شاخ و شجر کی
غلامی گشاکش ہے قلب و جگر کی
غلامی سے نادم ہے فطرت ہماری
غلامی سے ہے خاک عزت ہماری
غلامی، خلافِ حقیقت پرستش
غلامی، بتوں کی رفاقت، پرستش
غلامی عذابِ الٰہی جہاں میں
غلامی دلوں کی تباہی جہاں میں
غلامی، خدا کی خدائی کا انکار
غلامی کہ ہے کبریائی کا انکار
غلاموں کے دل میں، ہزاروں خدا ہیں
تہِ دل سے بس بندۂ ماسوٰی ہیں
کہ ہے لا اِلٰہ زبانوں کی حد تک
خیال و گماں، داستانوں کی حد تک
وہیں جس سے پڑھتے ہیں کلمہ اُسی کا
غلامی تو ردِّ عمل ہے خودی کا
بتوں کا ہر اک بندۂ کمتریں ہے
وجود اپنا اپنا بھی اپنا نہیں ہے
اِسے مسخ ہو جانا فطرت کا سمجھو
خدا آدمی مانے غیر خدا کو

غلام آدمی خود آدمی کا جہاں ہے
جہاں میں وہی ملک ہندوستاں ہے

غازی

(۲۹۱)

وہ ہی طاقت دلِ غازی تری رفتاروں میں
جس نے ساحل کی بنا ڈالی ہی منجدھاروں میں

بارہا چل کے دہکتے ہوئے انگاروں میں
تو رہا حاصلِ فردوس کے نظّاروں میں

نارِ نمرود کو فردوس بنانے والے
پھول جنت کے تھے خود تیرے جگر پاروں میں

جب مجاہد نے کیا نعرۂ تکبیر بلند
در نظر آنے لگے کفر کی دیواروں میں

زندگی اور جہاد ایک حقیقت کے ہیں نام
روح کی موت ہے بس عیش کے گہواروں میں

خطاب بہ نوجوانِ ملت

(۲۹۲)

نوجواں مسلم! اگر کچھ کام کرنا ہی تجھے
راہ تیرے سامنے قرآن و پیغمبر کی ہی

فاتحِ افلاک تھے پہلے یہی بازو ترے
آج ہمت کیوں تری محتاج بال و پر کی ہی

بندۂ حق، فاتحِ عالم، فدائے مصطفٰے
ایک تعریفِ حقیقی یہ ترے جوہر کی ہی

کشتیٔ ملت چلے کیوں کر ترے دل کے بغیر
کچھ خطا بادِ مخالف کی، نہ کچھ لنگر کی ہی

پہلی سی قربانیاں دل میں ترے باقی نہیں
اِس صدف میں ہی کمی تو خود ترے گوہر کی ہی

دل سے خطاب

(۲۹۳)

میں دل سے کہہ رہا ہوں کہ اے بندۂ خدا
افسانۂ تباہیٔ مِلّت نہ اب سنا

لا قافلہ کے سامنے منزل حیات کی
میدان میں عمل کے دلوں کی تڑپ بڑھا

مسلماں سے خطاب

(۲۹۴)

تو کون ہی، تو کیا ہی زمانے کو بتا دے
اک بار پھر افلاک کی گردن کو جھکا دے

ای کون و مکاں میں فقط اللہ کے طالب
اُٹھ خلق کے بتخانوں کی بنیاد ہلا دے

ای سوزِ دروں پھر کسی شعلہ کی طرح اُٹھ
ہر پردۂ افلاک میں پھر آگ لگا دے

ای دردِ چمک پھر کسی خورشید کی مانند
پھر نام و نشاں خلق سے ظلمت کا مٹا دے

ای جذبۂ دل پھر وہی سیلاب و تلاطم
پھر پیاس کے عالم میں سمندر جو بہا دے

پھر ڈھونڈھ مسلمان! وہی ہمتِ منزل
جو بیچ سے دنیا کے پہاڑوں کو ہٹا دے

پھر نغمۂ قربانی و ایثار سے گویا
مائل بہ فنا قوم کو پیغامِ بقا دے

اقدام

(۲۹۵)

بڑھے چلو سپہ گرو! بڑھے چلو بڑھے چلو
بڑھے چلو دلاورو! بڑھے چلو بڑھے چلو

وہ سامنے ہیں منزلیں بلا رہی ہیں جو تمھیں
بلا رہی ہیں جو تمھیں، بلا رہی ہیں جو تمھیں

بڑھے چلو سپاہیو! بڑھے چلو بڑھے چلو
بڑھے چلو ای راہیو! بڑھے چلو بڑھے چلو

خدا تمھارے ساتھ ہی! ظفر تمھارے ہاتھ ہی
ہی آسماں بلند تو مگر تمھارے ہاتھ ہی

بڑھے چلو تلاطمو! بڑھے چلو بڑھے چلو
نہ تم رکو نہ تم تھمو، بڑھے چلو، بڑھے چلو

چھلکنے لگی باؤلی یہ خود ہی بلندیاں جہان کی
قدم قدم کے ساتھ ہیں ترقیاں جوان کی

تیزگام

(۲۹۶)

تیز و تیز د، تیز گام   تیز و حشر خیز گام
تیز د باستیز گام

کیا زمین و آسماں   کیا مکان و لامکاں
تیز گام، نوجواں!

موج کی طرح رواں   سیل کی طرح دواں
برق کی طرح تپاں

زندگی کی دوڑ کے   دوڑ! بازی جیت لے
جیت لے شکست دے

دیکھ امتحان ہے   بڑھ جواں، جوان ہے
جان کا جان ہے

تیز و تیز و تیز گام   تیز و حشر خیز گام
تیز و باستیز د گام

مسلمانو! جاگو

(۲۹۶)

مسلمانو جاگو بہت سو چکے ہو بہت سو چکے ہو، بہت کھو چکے ہو
مسلمانو! جاگو بہت سو چکے ہو

اُٹھو اور دل سے نمازی بنو تم بناؤ صفیں مردِ غازی بنو تم
مسلمانو! جاگو بہت سو چکے ہو

وہی شان پہلی سی پیدا کرو تم اُٹھو اپنے جھنڈے کو اونچا کرو تم
مسلمانو! جاگو بہت سو چکے ہو

جگا دو زمانے کو تم جاگ کر پھر ہلا دو زمانے کو تم جاگ کر پھر
مسلمانو! جاگو بہت سو چکے ہو

اذانوں سے آتی ہے گویا یہ آواز نمازوں سے ہوتی ہے پیدا یہ آواز
مسلمانو! جاگو بہت سو چکے ہو

(۲۹۷)

جنیدؒ و شبلیؒ و عطارؒ و شمسؒ و رومیؒ و جامیؒ وہ غزالیؒ، وہ ابن رشدؒ، وہ فارابیؒ نامی
ہزاروں تجھ میں تو پہلے تھے جوہر علم و عرفاں کے زمینِ دل! بتا تو آج کیوں ہے دشتِ ناکامی
مہ و خورشید کیوں ذروں سے اب تیرے نہیں بنتے نمایاں تجھ سے کیوں ہوتے نہیں انوارِ اسلامی؟
کہا دل نے، صدف کی روح جب آزاد ہوتی ہے تو سلکِ خلق میں افلاک کے موتی پرو دیتی ہے

باب ششم، بصائر

(۲۹۸)

اگر ہو آنکھ تو ہر نقشِ جہاں آئینہ — ذرّہ و مہر ہی کیا کون و مکاں آئینہ

ورنہ ظلمت کے سوا کچھ بھی نہیں دنیا میں — دلِ تاریک کہاں اور کہاں آئینہ

رباعیات

(۲۹۹)

تعلیم سے ہی جوہرِ فطرت کی جلا تعلیم ہی اک بارشِ انوار و ضیا
تعلیم بشرطیکہ ہو تعلیم وہی آدم کا ہوا بلند جس سے رتبا

(۳۰۰)

خود رتبہ ترا دوچند ہو جائے گا لاریب کہ تو ارجمند ہو جائے گا
اُٹھ نفس پرست! عالمِ ایثار میں آ بن ابرِ کرم، بلند ہو جائے گا

(۳۰۱)

گردش میں نہیں ہی جامِ عالم گویا محکم ہی یہ انتظامِ عالم گویا
ہر سعیِ عمل، بغیرِ تنظیم، عبث ہی درسِ عمل، نظامِ عالم گویا

۳۰۱/ا

ای دوست! ہمہ اوست میں، یہ کیا ہی ہمہ پہلے ہی تو غیر اُس کے سوا، مان چکا
موجود اگر دو ہیں تو وحدت کیسی وحدت ہی حقیقی تو یہ تفریق ہی کیا؟!

(۳۰۲)

بے مثل مثال میں کہاں سے لاؤں بالفرضِ محال میں کہاں سے لاؤں
جو ہو نہ خلاف تری یکتائی کے یارب وہ خیال میں کہاں سے لاؤں

۳۰۳

ناقدری عمل کی بے شعوری سمجھو — لمحاتِ عمل کی قدر پوری سمجھو
غفلت میں کرو نہ وقت ضائع گویا — جو کام کرو اُسے ضروری سمجھو

(۳۰۴)

خودبیں تری خدا پرستی دیکھی — رفعت تری اسیرِ پستی دیکھی
کہتا ہے تو خلق کو شرابی افسوس — بدمست! کبھی اپنی نہ مستی دیکھی

(۳۰۵)

فانی ہے ہر زمانِ آنی فانی — آنی ہے، بہارِ زندگانی، فانی
باقی ہے فقط ذاتِ خداوندِ جہاں — باقی ہے سب جہانِ فانی، فانی

(۳۰۶)

اے نورِ یہ تنویرِ فراواں تیری — ہے ذرّوں میں تصویرِ درخشاں تیری
ظلمت بھی نہیں تیرے کرم سے محروم — ممنون ہے شبِ ماہ بداماں، تیری

(۳۰۷)

ساقی تری بخشش کا نیا طور سہی — ہر دور کے بعد ایک نیا دور سہی
دنیا نئی، مے کش نئے، میخانہ نیا — اِک محرمِ اسرار نیا اور سہی

(۳۰۸)

مغرور پہاڑ خاک پتھر نکلے — ہاں تہ میں سمندروں کی گوہر نکلے
دعویٰ تھا جنھیں انھیں نہ پایا کچھ بھی — خاموشِ عمل بڑے سمندر نکلے

(۳۰۹)

خورشید کا پھر جواب ہو سکتا ہی　　ذرّہ پھر آفتاب ہو سکتا ہی
مسدود نہیں رہِ ترقی ای دل　　ہر کام کہ کامیاب ہو سکتا ہی

(۳۱۰)

جو ابرِ کرم صدف کو گوہر بخشے　　گوہر کو جو بے طلب کے جوہر بخشے
رحمت سے نہیں بعید اُس کی گویا　　چاہے تو گدا کو ہفتِ کشور بخشے

(۳۱۱)

قطرے کو بحرِ مے بنایا تو نے　　لاشے کو کوئی شے بنایا تو نے
ہستی کوئی اِس ذرّہٴ لاشے کی نہیں　　ساقی! اِس نہیں کو ہی بنایا تو نے

(۳۱۲)

ای داتا واہبِ عطایا تو نے　　ہاں تو نے ہی تو مرے خدایا تو نے
گویا کو زباں دی علم و ادراک دیا　　گونگے کو بولنا سکھایا تو نے

(۳۱۳)

تو لوحِ جبیں کو پُر معانی کر لے　　محدودِ مکاں کو لامکانی کر لے
سجدوں میں نظر آئیگی معراج ضرور　　پیدا تو فضائے رازدانی کر لے

(۳۱۴)

جب پورے دلوں کے کام ہو جائینگے
پیدا ابھی نئے نظام ہو جائینگے
ہی خالقِ اسباب، مسبب خود ہی
خود غیب سے انتظام ہو جائینگے

(۳۱۵)

قربان جو دل بصد دل و جاں ہوتے
پھولوں کی طرح ہمیشہ شاداں ہوتے
سینوں میں نظر آتی وہ تصویرِ جناں
خود محوِ ثنا و حمدِ سبحاں ہوتے

(۳۱۶)

ای ذرّۂ دل ارض و سما تجھ میں ہی
کیا ارض و سما، ساری فضا تجھ میں ہی
کیا ساری فضا اگر ہی ایماں کامل
لا شے ہی خدائی کہ خدا تجھ میں ہی

(۳۱۷)

پھولوں کی زباں سے خوش بیانی سیکھے
فطرت کی خموش ترجمانی سیکھے
ہونا ہو جسے لسانِ فطرت گویا
وہ زبانِ جلوۂ معانی سیکھے

(۳۱۷/۱)

قربانی، نثار مدعا ہونا ہے
حق پر دل و جاں سے بس فدا ہونا ہی
ہو جاؤ بالاتفاق نحوِ مقصد
ذروں سے اگر مہر سما ہونا ہی

باب ہفتم، نظر و منظر

(۳۱۸)

زمانے میں تیری ہی شام و سحر ہے   مناظر میں ترا ہی عکسِ نظر ہے
فضاؤں میں تو پائیگا انقلاب آپ   بدل آپ کو آنکھ والا اگر ہے

نظر

(۳۱۹)

جب شاخ ہو پھول سے ناواقف اور پھول ہو بو سے بیگانہ

تو کس سے کہے اور کون سُنے دنیا میں چمن کا افسانہ

اِس باغ جہاں سے اہلِ نظر کچھ نظروں کے موتی چن لے

آنسو ہے کہانی صبح کی اور شبنم ہے شب کا افسانہ

گل بھی تو طلب کے عالم میں شاخوں سے باہر ہوتے ہیں

پابندِ سلاسل ہی جو رہے ہے ننگِ جنوں وہ دیوانہ

سحرِ تجلّی

(۳۲۰)

اپنے چمن میں جلوۂ ساقی جدھر گیا — رنگِ جمال حدِّ نظر سے گذر گیا

کارِ ہزار شیشہ و پیمانہ کر گیا — فیضِ نگاہِ حُسن سے ہر جام بھر گیا

صبحِ تجلّی جلوۂ ساقی کا انعکاس

یا منعکس ہے پرتوِ باقی کا انعکاس

ایک چاند

(٣٢١)

ابر کے ٹکڑے نہیں، یہ دل کے ٹکڑے ہیں مرے — جا بجا جو منتشر سے ہیں فضائے نور میں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں گویا چہرۂ مہتاب کو — دل لیے پھرتا ہی خود جن کو سمائے نور میں

نمودِ سحر

(٣٢٢)

تشنہ کامانِ جامِ جلوہ گری — اُٹھے مثلِ ستارۂ سحری
آرہی ہی اذان کانوں میں — بانگِ توحید ہی جہانوں میں
"اختلافاتِ باہمی کھو کر — ایک ہو جاؤ، ایک کے ہو کر"
غرق ہیں نور میں مکین و مکاں — محوِ تسبیحِ رب ہی سارا جہاں
ڈالی ڈالی پہ شاد شاد طیور — دل سے پڑھتے ہیں بیٹھے سورۂ نور
دل ہیں غنچوں کے، یا نسیمِ کرم! — لبِ ہر گل پہ یا شمیمِ کرم!
ہوگیا یہ دلوں کو اندازہ — آسماں کا کھُلا ہے دروازہ
ہیں دلوں میں عجیب راز و نیاز — پوچھتا ہی دلوں سے ذرہ نواز
مانگو جو مانگنا ہے، کیا ہی کمی — کوئی حد ہی نہیں ہی بخشش کی
دل سے جو مانگے گا، وہ پائیگا — در سے خالی نہ کوئی جائیگا

اُٹھے دستِ دعا بڑھائے ہاتھ
جھولی دل کی تھی، ہر گدا کے ساتھ

پایا اپنے نصیب کا سب نے
صدقہ اپنے حبیب کا سب نے

اشک و شبنم کو سیکڑوں گوہر
ملے دل کو ہزارہا جوہر

اللہ اللہ شگفتگی دل کی
کھل رہی ہے کلی کلی دل کی

آسماں پر ہیں صبح کے تارے
آسمانی سحر کے نظارے

صبح کا رنگ ہی نرالا ہے
کچھ اندھیرا ہے، کچھ اُجالا ہے

ہیں ستارے قریب منزل کے
ہو گئے گم آفتاب سے مل کے

پوچھنا کیا ہے صبح کے منظر
ہے فضاؤں میں بارشِ گوہر

کیف کا ہے وفور ہر دل میں
خود بخود ہے سرور ہر دل میں

چل رہے ہیں نسیم کے جھونکے
روح افزا شمیم کے جھونکے

گھر کے آیا ابرِ گوہر بار
ہونے والی ہے بارشِ انوار

ابرِ سیمیں اُٹھا ہے منڈلا کر
حسنِ رنگیں رہے گا برسا کر

دامنوں میں شفق کے رنگ ہے لال
چہرۂ صبح پر ملے گی گلال

اللہ اللہ شہود کا عالم
منتظر ہے ورود کا عالم

سامنے آنکھ کے، درِ شرق
قابلِ دید، منظرِ مشرق

دستِ مشرق میں اک گلابی ہے | بادۂ حسن آفتابی ہے
حسن لیکر اٹھا ہے انگڑائی | روشنی دور تک نظر آئی
اس کو کہتے ہیں دل نمودِ سحر | فی الحقیقت ہے یہ شہودِ سحر
سب سے پہلی کرن جو آئی ہے | یہ تو آغازِ رونمائی ہے
ابھی کیا ہے، نقاب اٹھے گا | بعد اس کے حجاب اٹھے گا
دور میں ساغرِ صبوحی ہے | مشعلہ میکشوں کا روحی ہے
آدمی جس کا ہے ازل سے نام | مظہرِ ذوالجلال والاکرام
حال اس کا سحر کے وقت نہ پوچھ | دل کہاں ہے نظر کے وقت نہ پوچھ
خود بتاتی ہے یہ جبیں سائی | دل کی منزل ہے سامنے آئی

معرفت کا نشان ہے سجدہ
سر، زمیں، آسمان ہے سجدہ

رنگ شفق

(۳۲۳)

ہیں احمری شعاعیں زیرِ سحاب سیمیں | یا پردۂ سما میں اک التہابِ رنگیں
یا دن نے سرخ جوڑا بدلا ہے بہرِ تزئیں
یا دامنِ افق میں کچھ پھول ہیں گلابی | یا گلشنِ شفق میں کچھ پھول آفتابی

یا ہی گلابیوں میں اِک بادۂ شہابی

یہ کچھ نہیں، شعاعیں تجھکو بتا رہی ہیں نظروں کو ساتھ لیکر کس سمت جا رہی ہیں

انساں ترا فسانہ تجھ کو سنا رہی ہیں

خود اپنی زندگی کو تو کیا سمجھ چکا ہی زلیست اور شفق مسلسل موجوں کا آئینہ ہی

اِک رنگ آ رہا ہی اک رنگ جا رہا ہی

موجیں رواں دواں ہیں ساحل کی جستجو میں یہ پا ہی اک تلاطم آفاق کے لہو میں

تو غرق ہی ابھی تک افکارِ رنگ و بو میں

قربانیاں شعاعوں کی رنگ لا رہی ہیں یہ دیکھ زندگی کے کیا گل کھلا رہی ہیں

دنیا نہ آسماں سے تجھکو بتا رہی ہیں

تاروں بھری رات

(۳۲۴)

گردش میں ہیں چاند ستارے ہیں یا دوَر میں دورِ ساغر ہی

یا بحرِ کبودِ فلک میں رواں یہ کشتیٔ لعل و گوہر ہی

یہ کچھ بھی نہیں دامانِ فلک گنجینۂ حسنِ مقدر ہی

مہتاب کی شب بھی خدا کی قسم کیا حُسن محبت پرور ہی

خود نور ہے اپنے عالم کا ہر انجم، انجمن آرا ہے
یہ کثرت چاند سے تاروں کی یہ تارا ہے، وہ تارا ہے
جس سمت نگاہیں اُٹھتی ہیں اِن تاروں ہی کی دنیا ہے
یہ نورِ قمر، یہ پیارا سماں کیا منظر پیارا پیارا ہے
سبحان اللہ، سبحان اللہ

وہ نور ابھی ہے پردے میں ہے جس کی ضیا کا یہ عالم
لبریز تجلّی کون و مکاں ہے ساری فضا کا یہ عالم
انوار سے جگ مگ ہوتا ہے ہے ارض و سما کا یہ عالم
ہر ذرہ محوِ تجلّی ہے ہے حمد و ثنا کا یہ عالم
سبحان اللہ، سبحان اللہ

باب ششم، سوز وساز

(۳۲۵)

انسان ہی ہی نام نواہائے راز کا — پردہ ہی درمیاں میں فقط سوز وساز کا

صوتِ ازل ہی ایک، تموج ہیں بے شمار — طوفاں ہی موج موج میں راز و نیاز کا

نیاز و راز

(غزلیات)

(۳۲۶)

جبیں نواز عجب جلوۂ یگانہ تھا
کہ بے نقاب سرِ عرش آستانہ تھا

ازل سے خانۂ دل میں چراغِ خانہ تھا
جمالِ برق، سرِ شاخِ آشیانہ تھا

جبیں جہاں بھی ہوئی محوِ آستانہ تھا
کہ درمیاں میں خود اپنا ہی تو فسانہ تھا

رہینِ شاخ و شجر تھی نہ کائناتِ نظر
جہاں بھی بیٹھ گئے قربِ آشیانہ تھا

بس ایک قطرۂ شبنم تھا دامنِ گل میں
وُرِ جمال تو یہ صبح کا فسانہ تھا

کسی سے تھا متعارف نہ کون پہلے سے
تعارفوں میں تجاہل بھی عارفانہ تھا

معانی وحدت و کثرت کے ہم تو یہ سمجھے
وہ جب نظر میں نہیں تھا کہاں زمانہ تھا

نگاہِ نامۂ ہستی کا اشک تھا عنوان
حقیقتوں کا مفسّر عجب فسانہ تھا

ہر اک ذرّے میں تھی کائناتِ راز مگر
مذاقِ عالمِ دنیا کا، عامیانہ تھا

گذر رہی تھی ستاروں کے درمیاں سے نظر
عجیب منظرِ احساسِ آستانہ تھا

رہینِ ساز نہیں صوتِ سرمدی گویا
جہان اگرچہ حقیقت کا اِک ترانہ تھا

(۳۲۷)

گم ہو کے تمہاری راہ میں اپنا پتا چلا لیا
ہم نہ رہے جب آپ میں، آپ میں تم کو پا لیا

سب زمیں آسماں تھے اور چاروں طرف جہاں تھے اور
دل نے جہاں کہیں مٹا اور جہاں بنا لیا

کس کے قدم کا نقش تھا، پوچھ نہ تو یہ راہ سے
چوم کے خود نگاہ سے، دل نے جسے اٹھا لیا

بات ہی بھول میں وہ کیا، کانٹے میں جو نہیں بتا
دل نے کسی کی راہ میں دونوں کو دل بنا لیا

دیکھ نہ یوں وہ انجمن، آنکھ کا روشن اشتباہ بن
خود کو ذرا مٹا کے دیکھ، دل کو بہت سجا لیا

تجھ پہ حرم کی سرزمیں لاکھ خدا کی رحمتیں
ذروں نے آفتاب کو تیری فضا میں پا لیا

(۳۲۸)

ای آنے والے دل میں بہر لحظہ آئے جا
اک اک نفس کو شوق کی منزل بنائے جا

یہ گردِ راہ بھی ترے قدموں کے ساتھ ہو
ہر نقشِ پا سے جادۂ منزل دکھائے جا

ساحل ہی تیرا تیری تڑپ سے بہت قریب
ای موجِ دلِ طلب کا تو تلاطم بڑھائے جا

آنکھوں میں جیسے نورِ مسلسل کا ہو ورود
موجِ جمال اس طرح دل میں سمائے جا

بیٹھا ہوں بند آنکھیں کیے تیری یاد میں
پیہم تو میرے سامنے آ اور آئے جا

(۳۲۹)

آنے والا درد و غم میں کون تھا
چشمِ نم میں اور ہم میں کون تھا

اپنے ہی نقشِ قدم سے پوچھ لے
گم ترے نقشِ قدم میں کون تھا

رونما تھا صبح کا تارا کوئی — آخرِ شب، چشمِ نم میں کون تھا
ہو گئے روشن زمین و آسماں — یا خدا بزمِ حرم میں کون تھا
کس کے جلووں نے اُٹھائے تھے نقاب
کچھ نہیں تھے ہم تو ہم میں کون تھا

پردۂ تصویر میں ہے راز کس تنویر کا (۳۳۰) — پیرہن عکسی نظر آتا ہے ہر تصویر کا
خود بخود ملتی چلی جائینگی کڑیاں دہر کی — سلسلہ خود سے چلا کر دیکھ اِس زنجیر کا
رازِ شبنم کو پہونچکر دل کو باور آگیا — اشک بن جانا سحر تک آہِ بے تاثیر کا
دفترِ گلزار میں سیمیں شعاؤں کے نقوش — اِک مرقع ہے پیامِ صبح کی تحریر کا
دیکھ کر ذروں کے دل میں مہر بننے کی تڑپ
آگیا گویا سمجھ میں رازِ خود تقدیر کا

(۳۳۱)
لالہ و گل کے ہیں کیا معنیٰ یہاں دیکھا کیا — خامشی سے میں کوئی حسنِ بیاں دیکھا کیا
آپکو پہچاننے یا بھول جانے کے لئے — دیر تک اپنی طرف دل کا نشاں دیکھا کیا
ہر در و دیوار پر لکھا ہوا تھا نامِ دوست — سامنے ہی اپنے دل کی داستاں دیکھا کیا
تھے فضائے آرزو میں چند ذرے بیقرار — کارواں اپنا، غبارِ کارواں دیکھا کیا
بھول کر منزل کا آیا بھی تو کیا آیا خیال — دید اُس کی جو مسلسل بے گماں دیکھا کیا

(۳۳۲)

جو طوفان و تلاطم میں سرِ ساحل نہیں ہوتا
وہ آنسو آئینہ ہوتا ہو لیکن دل نہیں ہوتا

تلاطم شوق کا جبتک نہو طوفانِ بے پایاں
حبابِ موج سے پیدا کبھی ساحل نہیں ہوتا

ستارہ سا نظر آتا ہی جبتک دور سے آنسو
سرِ مژگاں ہی ہوتا ہی سرِ منزل نہیں ہوتا

نہ اُٹھے تو نگاہیں تک حجابِ انتہائی ہیں
حجاب اُٹھے تو عالم پردہ حائل نہیں ہوتا

نظر آتی نہیں آنکھوں سے خود اپنی نظر گویا
کبھی بھی دل کا حاصل آنکھ کا حاصل نہیں ہوتا

(۳۳۳)

پھر دل کا کوئی سوز نمایاں نظر آیا
پھر اشک مجھے ماہ بداماں نظر آیا

پھر مائل پروانہ ہوئی برقِ تجلّی
پھر بزم میں اک شعلۂ رقصاں نظر آیا

پھر آنکھ مری کھول گیا صبح کا تارا
پھر جام بکف ساقیٔ دوراں نظر آیا

پھر میکدۂ راز سے دریا ہوئے جاری
پھر تر مجھے اشکوں سے گریباں نظر آیا

پھر اپنا پتا پوچھنا ہوگا مجھے گویا
پھر راستہ آئینۂ حیراں نظر آیا

(۳۳۴)

بھول گیا میں اپنا نام جب ترا نام آگیا
مجھ میں مرے وجود کا قائمقام آگیا

ساقیٔ میکدہ نہ پوچھ جب ترا نام آگیا
نام کے ساتھ دور میں بارہا جام آگیا

راہ میں جس جگہ ترا نقشِ خرام آگیا
ذوقِ جبیں پکار اُٹھا دل کا مقام آگیا

ذوقِ نظر میں تھا چھپا دیدۂ تر کا میکدہ
چشم زدن کی دیر تھی پیجیے جام آ گیا

(۳۳۵)

یہی کیا کم ہے اے گویا وہاں مفہوم ہے میرا — رہینِ جنبشِ لب ہوں، بڑا مقسوم ہے میرا
اچھلتی ڈوبتی ہے موج بڑھتی ہے بہر لحظہ — نہ ہونا اور ہونا لازم و ملزوم ہے میرا
تری نظروں سے وابستہ وجودِ بادہ کش ساقی! — نظر اپنی طرف کر ظرف تو معلوم ہے میرا

حقیقت اور ہی کچھ ہے تو ہرگز میں نہیں ہوں میں
تجھے دھوکا ابھی تک ہستیٔ موہوم ہے میرا

(۳۳۶)

کچھ سکوں سا ہوا جو آہ کے بعد — پھر تڑپ اٹھا دل نگاہ کے بعد
فطرتِ پردہ پوش کو دیکھو — شرم آجاتی ہے گناہ کے بعد

ختم کرتے ہیں فاصلے گویا
اشک خود انتہائے راہ کے بعد

(۳۳۷)

صد ہا پردے ہیں اے غمِ جاں اور — دیدہ کے ہیں ہزار امکاں اور
سب کہاں آسماں میں تارے — ہیں تہِ خاک لاکھوں پنہاں اور
حسرتِ دل ہے اک نگاہِ جمال — کرمِ خاص تارگِ جاں اور
کہہ رہی ہے کسی کی شانِ حجاب — چاک ہونگے ابھی گریباں اور

کوئی آئے نظر تو آئیں نظر — ذرّے ذرّے میں سو چراغاں اور
یہ نظر آتا ہے سرِ مژگاں — ہر زبانِ نگاہِ پنہاں اور
کوئی میرا نہیں بجز تیرے — لاکھوں تیرے لئے دل و جاں اور
قدمِ جستجو اگر نہ رُکے — کچھ دکھاتی ہی راہِ امکاں اور

آنسو آنسو میں فرق ہی گویا
زیبِ دل اور زیبِ داماں اور

(۳۳۷)

یہ کس نے عطر چھڑکے ہیں مری موجِ نفس پر — چلی آتی ہی سینے میں شمیمِ خلدِ جاں پرور
کھلے جاتے ہیں غنچے دل کے کس کے مسکرانے سے — نظر آتے ہیں اک اک اشک میں فردوس کے منظر
ٹپک کر آنکھ سے گذرے ہیں کس جلووں کے عالم سے — نظر آتے ہیں کیوں آنسو سرِ داماں مہ و اختر

تصور ہیں کسی ماہِ ارم کے اے دلِ گویا
شبِ مہتاب میں کھُلتے ہیں در افلاک کے اکثر

(۳۳۸)

سازِ دل سمجھا نہ خود اپنی ہی آواز کا راز — پردۂ ساز سے باہر ہی رہا ساز کا راز
کبھی پردہ ہی کبھی جلوہ، کبھی آئینہ — دل میں رکھا ہی خدایا عجب انداز کا راز
دیکھنے والے ہیں حیران، تعجب یہ ہی — راز، بے پردہ نظر آ کے رہا راز کا راز
ورنہ ہر زاغِ زمانہ بھی نظر آتا عقاب — بال و پر میں نہیں اس رفعتِ پرواز کا راز

غنچہ و گل کے مدارج سے عیاں ہی گویا
خود نظر آتا ہے انجام میں، آغاز کا راز

(۳۳۹)

ہیں راہِ آسماں میں ابھی تک نشانِ دل — گذرا ہی کہکشاں سے کبھی کاروانِ دل
آوارگی میں بھولا نہیں ہوں وطن کو میں — منزل ابھی غبار کی ہے، لامکانِ دل
دل ڈھونڈتا ہی منزلِ اُسی آفتاب کی — ہر ذرہ جسکی راہگذر کا، جہانِ دل
عرضِ براہِ راست ہے بالواسطہ نہیں — چپ ہوں کہ کائنات ہی خود ہی زبانِ دل
دنیا کو لوگ حشر سے سمجھے ہیں کیوں جدا — ٹکڑوں میں منقسم تو نہیں داستانِ دل
کیوں پردہ گفتگو کا وہاں درمیاں میں ہو — چشمِ کرم جہاں ہو خود ہی ہمزبانِ دل
یہ بھی نہیں تو گریۂ شبنم سے فائدہ — تمہیدِ داستانِ دگر ہی، بیانِ دل

لفظوں سے آنسوؤں کے بنائے عبارتیں
گویا یہی زباں ہی فقط ترجمانِ دل

(۳۴۰)

کچھ چلے تھے کہ رہ گئے حیراں — تھی یہیں تک رہِ گمان و خیال
چند تصویریں سامنے آئیں — تھی یہ ہمدردئ جہانِ مثال

حسرتوں کی کمی نہیں گویا
بے شمار اشک بن چکے ہیں سوال

(۳۴۱)

پیاسا ترا ممنونِ اغیار نہ کہلائے — اتنی ہی تمنا ہے اے ساقیٔ دریادل
میں خوب سمجھتا ہوں پیاسا نہ اُٹھونگا میں — یہ میکدہ تیرا ہے اے ساقیٔ دریادل

(۳۴۲)

عکس تیرا لے کے اِک اِک پردۂ حائل سے ہم — دیکھ یہ تو، دیکھتے ہیں تجھکو کس کس دل سے ہم
ہر قدم پر کرکے پیدا منزلیں سو، دل سے ہم — تجھکو ڈھونڈھینگے نہیں واقف حدِ منزل سے ہم
ہے سرِ مژگاں نظر میں صبح کا تارا کوئی — دیکھتے ہیں راستہ شمعِ سرِ منزل سے ہم
جلوۂ مہتاب ہی سے ہے ستاروں کا خمیر — ملتے ہیں مٹ مٹ کے اپنے اکۂ کامل سے ہم
آنسوؤں کی اُنکے دامن تک رسائی تو نہیں — پھول تو ہر صبح لاتے ہیں کھلا کر دل سے ہم
صبح کے تاروں کے عنواں سے پڑھو رودادِ دل — رو نما ہیں آجتک سوزِ سرِ منزل سے ہم
آفتاب اِک ذرّۂ ناچیز اُس منظر کا ہے — جسکو لائے ہیں جہاں میں رہگذارِ دل سے ہم
گم جہاں سے ذرّۂ دل میں ہے ساری کائنات — آپکو پہچان سکتے ہیں اُسی منزل سے ہم
طالبِ تکمیل ہے سینے میں پھر دل کے شرار — طور کے شعلے پھر اُٹھتے دیکھتے ہیں دل سے ہم
کیوں نہ اشکوں سے کریں پیدا نئی دنیائے دید — تنگ آگئے اِس جہانِ خلوت و محفل سے ہم
موج کوئی تو کنارے تک پہونچ ہی جائیگی — ہر سحر ساحل کریں پیدا ہر اشکِ دل سے ہم
داغِ دنیائے جبیں ہے سر کا سجدے میں خیال — سر بکف ہی اے زمیں گذرے ہیں اِس منزل سے ہم

دیکھتے ہیں آنکھ جب دیکھکر اُن کے قدم
اشک کہتے ہیں بہت نزدیک ہیں منزل سے ہم

بے نیازِ بزم ہے پروانوں کے دل کا چراغ
شمع روشن کر رہے ہیں اپنے داغِ دل سے ہم

رکھ لیا ہے بزم کو خلوت بنا کر سامنے
لو لگائے بیٹھے ہیں شمعِ حریمِ دل سے ہم

دیدہ و دل میں جہاں سے ہے نظر کا اختلاف
متحد ہونگے بالآخر پھر اُسی منزل سے ہم

امتیازِ دوست میں ہیں اُتنی ہی آسانیاں
غیر کو پہچانتے ہیں جس قدر مشکل سے ہم

کیوں نہ اِن اشکوں سے ہو جائے منوّر انجمن
یہ ستارے لائے ہیں بزمِ مہ کامل سے ہم

صبح کے آثار آتے ہیں نظر چاروں طرف
سنتے ہیں بانگِ جرس پھر کاروانِ دل سے ہم

قبلِ طوفاں ہے فضاؤں کی خموشی معنیٰ خیز
دیکھتے ہیں آسماں تجھکو سکونِ دل سے ہم

آشیاں سازی جنونِ خام کی بس دیکھ لی
کام لینگے اب تو گویا بارہائے دل سے ہم

(۳۴۳)

دل سے تو پوچھتا ہوں اپنا پتا
آپ سے پوچھتا ہوں دل کا نام

کچھ بتائیں تو میکدے والے
کیا تعارف کا خود ہی ہے مقام؟

۳۴۴
۱

ستارے تو سرِ مژگاں ہی لامکاں کے ہیں
نظر کے آگے چراغ اُن کے آستاں کے ہیں

جو شاہکار دو عالم کی داستاں کے ہیں
وہ ٹکڑے میرے فسانے کے درمیاں کے ہیں

خود اُن کی گردِ قدم سے اُڑے تھے جو ذرّے
چراغ و شمع وہی راہِ کہکشاں کے ہیں

عجب ہے شوق کا عالم، ترے کرم کے نثار
ستارے دامنِ شبنم میں آسماں کے ہیں

ہیں عینِ قرب میں بھی اشک دور منزل سے
الٰہی فاصلے اِس راہ میں کہاں کے ہیں

نقوشِ راہ کو منزل کا منتہیٰ نہ سمجھ
نشان اور بھی کچھ سعیِ رائیگاں کے ہیں

سنا ہے کانوں سے ہم نے بھی نغمۂ مہتاب
شعور اور ہی کچھ جلوۂ نہاں کے ہیں

ابھی نگاہ کے اندر ہی درد ہی دل کا
ہنوز آنکھ میں آنسو ہی ترجماں کے ہیں

سرِ نیاز وہاں بے نیازِ عالم ہے
جبیں میں ذرّے جہاں اُن کے آستاں کے ہیں

حدِ مکاں سے ہیں گذرے ہوئے جبیں کے نقوش
نظارے سجدوں میں دنیائے لامکاں کے ہیں

طلب بھی جن کی جہاں میں جنون کہلائی
وہ چند تنکے ہمارے ہی آشیاں کے ہیں

دلوں کے حال سُنے جاتے ہیں بغیر کہے
یہاں تو اور ہی مفہوم کچھ بیاں کے ہیں

شمار ہی نہیں دنیا میں جن ستاروں کا
وہ چند لفظ مری حمد کی زباں کے ہیں

بہار دیکھنے والے! لبِ تبسم دیکھ
تری نظر میں ابھی رنگ ہی بیاں کے ہیں

ہزار بار ہیں اُبھرے تو لاکھ بار مٹے
عجیب نقشِ غمِ راہ جاوداں کے ہیں

قطعہ

بہت سے داغ ہیں خود دامنوں پہ اشکوں کے
پتے ہزاروں ہی اِک سوزِ بے نشاں کے ہیں

مگر تلاش تو مشکل ہے منزلِ دل کی
غبارِ راہ میں افسانے کارواں کے ہیں

کھلا نہیں ہے درِ میکدہ ابھی گویا
حباب منتظر اک کشتیِ رواں کے ہیں

بہارِ نظر دیکھ خود اشک ہی میں ۳۴۳/۲ ہے پورا گلستاں ذرا سی کلی میں
نظر آیا پروانہ جس روشنی میں عیاں ہے اُسی میں نہاں ہے اُسی میں
جھلک اُٹھے یوں اشک نظارگی میں ستارے کھلیں جس طرح چاندنی میں
نثارِ تبسم ہیں سو چاند سورج ستاروں کی گنتی نہیں جلوگی میں
چھپائے نہ دامن میں کیوں کوئی آنسو گھر ہاتھ آیا ہے بے مائیگی میں
نہ منزل، نہ رستا چلی جا رہی ہے نظر بھی ہے خود رفتہ، خود رفتگی میں
تڑپتی ہیں موجیں، تلاطم ہیں پیاسے ہے منظر عجب ساحلِ زندگی میں
ہر آنسو میں ہے اک نئی دل کی دنیا ہزاروں ہی حاصل ہیں لاحاصلی میں
نقوشِ تعین کبھی تو مٹیں گے جبیں گھس رہا ہوں غمِ بندگی میں
ہو شاخ نشیمن ہی طائر کی منزل جہاں بھی گرے اُڑ کے واماندگی میں
ابد تک یونہیں تڑپے جا موجِ دریا تری زندگی ہے تری زندگی میں
نہیں بے سبب ہی حجاباتِ ہستی حدِ بے نقابی بھی ہے، پردگی میں
خود ہی ہنس دئیے ہم کبھی روتے روتے خوشی غم میں ہے اور غم ہے خوشی میں

صدائے دمِ سرد آتی ہے گویا
نسیمِ سحر کی خود آہستگی میں

تھیں نظر میں اُنکی خود گلزارِ امکاں کی حدیں
مسکرا کر کھینچ دیں صبحِ گلستاں کی حدیں

ملتی ہیں دامن سے اُنکے اشکِ مژگاں کی حدیں
سامنے پاتی ہیں ساحل موجِ ایماں کی حدیں

وہ بڑھا دیتے ہیں جب دنیائے داماں کی حدیں
آپ ہو جاتی ہیں نامحدود امکاں کی حدیں

پردۂ در پر جہاں پڑتی ہیں نظریں بار بار
ملتی ہیں جا کر وہیں اُمید و حرماں کی حدیں

دستِ وحشت کی اگر منزل نہ ہوتی سامنے
مل نہیں سکتی تھیں دامان و گریباں کی حدیں

سر بسجدہ ہوں کسی کے نقشِ پا کے سامنے
مل رہی ہیں آج آپس میں دل و جاں کی حدیں

چشمِ تر کو آئنہ پایا دلِ صد چاک کا
چاکِ دامن سے نظر آئیں گریباں کی حدیں

موج و دریا کا فسانہ خود لبِ ساحل سے سُن
ذاتِ واحد سے ملی ہیں درد و درماں کی حدیں

روئے رنگیں کے تصور میں جہاں سے گم ہوئے
مل گئیں آکر بیاباں سے، گلستاں کی حدیں

ایک گوشے میں نظر آتا ہے دل کے کل جہاں
ہیں کہاں تک یا خدا دنیائے انساں کی حدیں

کیا خدا جانے نظارے ہیں کہیں چاروں طرف
ڈھونڈھتی پھرتی ہیں نظریں چشمِ حیراں کی حدیں

آشیاں کی حد سے جب باہر ہوئی پروازِ شوق
اڑ گئی لیکر جہانِ ساز و ساماں کی حدیں

۳۴۳/۴

ابھی ظاہر نوا کا راز نہیں — ورنہ نغموں میں سوز و ساز نہیں
درد و درماں میں امتیاز نہیں — منقسم زندگی کا راز نہیں
جو جبیں سا ہو غیر کے در پر — خاک ہے وہ، سرِ نیاز نہیں
لے سبق معنیٔ انا الحق سے — زندگی، زندگی ہے، ساز نہیں
بت شکن کو بتوں سے کیا نسبت — عشق، محمود ہے، ایاز نہیں
دردِ دل کیوں کہے کسی سے کوئی — غیر کوئی بھی چارہ ساز نہیں
منکرِ راہِ خاصِ میخانہ — واقفِ بابِ نیم باز نہیں
عکس و خورشید کے سوا کیا ہے — یہ حقیقت ہے کچھ مجاز نہیں
یہاں سجدے سے سر نہیں اُٹھتا — بندگی، بندگی ہے، ناز نہیں
لعل و الماس ہو خودی، لیکن — محرمِ سوزِ دلگداز نہیں
بندگی کی بلندی کیا جانے — سر جو سجدوں سے سرفراز نہیں

صاف کہتا ہوں بات میں گویا
ہوں گنہگار، پاکباز نہیں

۳۴۳/۵

یہ کس سمت اے دل بتا جا رہا ہوں — کہ خود مثلِ پردہ اُٹھا جا رہا ہوں
کسی کے قدم پر جھکائے ہوئے سر — دو عالم سے میں ماورا جا رہا ہوں

عجب موجِ دریا ہوں گویا مسلسل — چلا آرہا ہوں، چلا جا رہا ہوں
خدا جانے ہیں کس کے در کے یہ پھیرے — کہ ہر سانس کے ساتھ آ جا رہا ہوں
اگرچہ قفس میں ہوں بے بال و پر ہی — مگر سوئے گلزار اُڑا جا رہا ہوں
ہیں ہر دو طرف کہکشاں کے ستارے — ترا راستا، دیکھتا جا رہا ہوں
نظر کا سفینہ ہے خود موجِ گریہ — تجلّی کی رو میں بہا جا رہا ہوں

اُنھیں کی کشش ہے کہ ہر لحظہ گویا
سوئے طیبہ کھِنچتا چلا جا رہا ہوں

ہیں ستارے ہزار آنکھوں میں (۱۹۴۳) — سوزِ دل ہیں، شرار آنکھوں میں
کب کے بچھڑے ہوئے ملے آکر — عید ہے اشکبار آنکھوں میں
لاکھ دریا بہے مگر اب تک — راز ہیں رازدار آنکھوں میں
راستا دیکھیے سرِ مژگاں — تا کجا انتظار آنکھوں میں
سن رہا ہے کوئی صدائے نظر — آنسوؤں سے پکار آنکھوں میں
دید کے بعد پھر نہیں رہتا — کوئی اپنا شمار آنکھوں میں
ہے بہت چشمۂ نظر محدود — موج ہے بیقرار آنکھوں میں
شانِ توحید دیکھیے گویا — اِک نظر ہے ہزار آنکھوں میں

(۳۴۵)

بات دل کی ہے نظر سے کیا کہوں　　شب کا افسانہ، سحر سے کیا کہوں
اشک کیوں جاری ہیں پیہم آنکھ سے　　راز دریا کا، بھنور سے کیا کہوں
ڈھونڈھتا ہوں کس کی صورت ہر طرف　　درد دل کا، بام و در سے کیا کہوں
چومتا ہوں کس کا میں نقشِ قدم　　رازِ منزل، رہگذر سے کیا کہوں
آنکھ کے پردے میں ظاہر کون تھا　　خود نہ پہچانا، نظر سے کیا کہوں

چاہتی ہے شکل تیری دیکھنا
دل کو سمجھاؤں، نظر سے کیا کہوں

(۳۴۶)

راز و نیاز ہی رہے راز میں اور نیاز میں　　آئے وہ بارہا مگر آئے نہ امتیاز میں
آتی نہیں صدائے دوست غیر کے امتیاز میں　　پردہ نہیں ہے کوئی اور سوز میں اور ساز میں
منزلِ جلوۂ حبیب سجدوں سے ہے بہت قریب　　سر اور جبیں سے فاصلے ہوتے ہیں طے نماز میں
دل کا عجیب حال ہے، پردہ مگر محال ہے　　بیٹھا ہے کوئی سامنے پردۂ نیم باز میں

مشتِ غبار! فرش سے عرش کا فاصلہ نہ پوچھ
محوِ نیاز ہو کے دیکھ درگہِ بے نیاز میں

(۳۴۷)

دل شعلہ زارِ سوز ہے، سرو سمن یہاں　　بیش از گلِ شرار نہیں ہے چمن یہاں
ساتھ ایک آفتاب کے لاکھوں ہیں آفتاب　　بزمِ تجلیات ہے ایک ایک کرن یہاں

خود جامِ مے بھی ہوتا ہے ہر دور میں نیا — فرسودہ احتمال ہے چرخِ کہن یہاں
منصور ہم ہیں کون ہے حلّاج کون ہے — خود انتخاب کرتی ہے دادِ رسن یہاں
تو ڈھونڈھتی ہے کون سی دنیا کو اے نظر
ہر لحظہ ہے ازل سے نئی انجمن یہاں

(۳۴۸)
بہار کے سے کچھ آثار پائے جاتے ہیں — سحر سے زخمِ جگر مسکرائے جاتے ہیں
کہیں بھی غم کا کنارہ نظر نہیں آتا — ہم اپنی آنکھ سے دریا بہائے جاتے ہیں
چراغ ہی سے جلا کرتے ہیں چراغ یہاں — نقاب اُٹھایئے پروانے آئے جاتے ہیں
تمھیں کو دیکھ رہی ہے کلی کلی دل کی — یہ پھول کھلتے نہیں ہیں کھلائے جاتے ہیں
کہا سحر نے کوئی آفتاب آتا ہے
چراغِ بزمِ جہاں جھلملائے جاتے ہیں

(۳۴۹)
کھو گیا ہوں یہ ان نظاروں میں — ڈھونڈھتا ہوں تجھے بہاروں میں
پایا ہر بزم میں تجھے یکتا — تو مگر ایک ہے ہزاروں میں
جب نظر اور اُٹھتی ہے اوپر — دل نہیں لگتا چاند تاروں میں
کچھ نہ سمجھا کہ صبح کو غنچے — ہنس کے کیا کہہ گئے اشاروں میں
اوس برسا رہی ہے کیوں موتی — کون بکھرتا ہے سبزہ زاروں میں

(۳۵۰)

نظارے بھی عجیب حجاباتِ نور ہیں　　آنکھیں بقدرِ دید، حقیقت سے دور ہیں
اشکوں سے دھو رہا ہے کوئی حسرتوں کے داغ　　کوتاہیٔ نظر کے ہزاروں قصور ہیں
ہر دل کا ہے مقام جدا گانہ بزم میں　　بے انتہا مدارجِ قرب و حضور ہیں
ہے کس قدر بلند محبت کا راستا　　یعنی قدم قدم پہ ہزاروں ہی طور ہیں

اشکوں کا اہتمام بھی بیکار تو نہیں
کچھ راز تو حجابِ نظر میں ضرور ہیں

(۳۵۱)

نظروں کے نظاروں میں یوں تار بکھر جائیں　　اک بار سمیٹوں تو سو بار بکھر جائیں
اشکوں کا تقاضا ہے نظاروں کے عالم میں　　شبنم کی طرح ہو کر در بار بکھر جائیں
دنیائے نظر اپنا پردہ لئے پھرتی ہے　　اُف گردوں اگر دل سے سب تار بکھر جائیں
اسرار کا مجموعہ شیرازۂ ہستی ہے　　ہم کیا ہوں اگر گویا اسرار بکھر جائیں

(۳۵۲)

تنویرِ ماہتاب کی ہے آبشار میں　　یا اشک کوئی حسن لئے ہیں کنار میں؟
شبنم کا دل اُبھار رہی ہے نگاہِ مہر　　اُمید کی جھلک ہے دُرِ آبدار میں
ذرّوں کو خود ہی کھینچ رہی ہے کوئی کشش　　پرواز ورنہ آئی کہاں سے غبار میں
ہر ذرے ذرے میں متبسم کوئی جمال　　آسکتے ہی نہیں یہ ستارے شمار میں

(۳۵۳)

اِدھر لانا بہارِ دردِ تصویرِ دل و جاں کو
ذرا میں غور سے پہچان لوں اپنے گلستاں کو

اگر میں تنگ پاؤں گا کبھی دنیائے امکاں کو
ملا کر اپنے داماں سے بڑھا لوں گا گریباں کو

نہ دیکھ اے چشمِ گریاں انجم و ماہِ درخشاں کو
ترے آنسو بہت کافی ہیں عالم میں چراغاں کو

دہانِ زخم میں اپنے لبِ فریاد پیدا کر
بہت نزدیک ہی کی راہ ہے نے سے نیستاں کو

بغیر جذبِ پنہاں تو مکمل دل نہیں ہوتے
کشش ہی متحد کرتی ہے ذراتِ پریشاں کو

اگر ہے آدمیت تجھ میں تو پہچان لے خود ہی
کہاں تک آپ کو پہچاننا پڑتا ہے انساں کو

تعارف کے لئے گلزار کے رنگین پردوں میں
شعاعیں سامنے لاتی ہیں اک صبحِ گلستاں کو

عجب اک چاندنی سی آنسوؤں میں ہے سرِ مژگاں
ستارے اپنے حلقے میں لئے ہیں ماہِ تاباں کو

سحر کا گریۂ پیہم بھی کوئی رنگ لائے گا
نمایاں کر رہا ہے اک بہارِ بے نمایاں کو

(۳۵۴)

جزوِ غمِ حیات ہے پیکانِ آرزو
خود آرزوئے درد ہے درمانِ آرزو

ساحل کے انتظار میں مدت سے ہے کوئی
آغوش میں لئے ہوئے طوفانِ آرزو

آنسو ٹپک رہے ہیں بجائے سوال کے
حسنِ طلب تو دیکھئے قربانِ آرزو

بیٹھے ہوئے ہیں شوق کی دنیا لئے ہوئے
پھیلا ہوا ہے دیر سے دامانِ آرزو

پُر نور خود نہیں ہیں یہ ذراتِ کائنات
روشن کئے گئے ہیں چراغانِ آرزو

اِس پردۂ اُمید و تمنا میں کون ہے
کیسا یہ حشر ہے تۂ دامانِ آرزو
گویا ہیں بزمِ راز میں ششدر کھڑے ہوئے
دِل ہے وہاں جہاں نہیں اِمکانِ آرزو

(۳۵۵)

حیرت سے کیوں کسی کی نظر چار سو نہو
یوں روبرو ہیں جیسے کوئی روبرو نہو
ہوتے ہیں اُس جگہ سے نظارے جمال کے
اپنی نظر میں آپ جہاں سے بھی تو نہو
رنگین تو ہے ساغرِ مینائے رنگ و بو
اس میں خدا کرے کسی دِل کا لہو نہو
گویا ہماری منزلِ ہستی ہے سامنے
جو درمیاں میں یہ قدمِ آرزو نہو

(۳۵۶)

حاصلِ سوز ہے حُسنِ سرِ مژگاں مجھکو
نظر آتی ہے نظر، ماہ بداماں مجھکو
کون مصروفِ تجلّی ہے سرِ ساحلِ دِل
موجِ دریا نظر آتی ہے درخشاں مجھکو
تیرے چہرے کی طرف دیکھکے ہنس دیتا ہوں
جب سمجھتا ہے کوئی بے سر و ساماں مجھکو
اُٹھ گئی ہے جدھر اک لحظہ کو چشمِ ساقی
دل نظر آئے ہیں فردوس بداماں مجھکو

(۳۵۷)

سمجھے نہیں ہیں شائد ایمائے راہبر کو
یہ دیکھتے ہیں آنسو رہ رہ کے کیوں نظر کو
اِک آفتاب کی سی دل میں ہوئی تجلّی
مدھم سی ہو چلی تھی جب چاندنی سحر کو

نظروں کے ساتھ لیکر ہر نقشِ راہِ حسرت
ای طالبانِ منزل یہ تو کہو کدھر کو؟
تار آنسوؤں کا گویا پیہم بندھا ہوا ہی
بھیجے کوئی مسلسل یوں تو پیامبر کو

(۳۵۷)

اِک دل ہی نہیں ہی آہ کے ساتھ — ہم بھی ہیں غبارِ راہ کے ساتھ
محفل میں تری نگاہ تک ہیں — اُٹھینگے تری نگاہ کے ساتھ
برپا ہے تلاطم آنسوؤں میں — موجوں کو ہی عشق ماہ کے ساتھ
ہی راہِ نظر عجیب رستا — آنکھیں بھی ہیں فرشِ راہ کے ساتھ
شاہد ہی کرم کا ذرّہ ذرّہ — آئینہ ہی ہر گواہ کے ساتھ
عالم کی نگاہ میں نہیں تو — عالم ہی تری نگاہ کے ساتھ
منزل نہ پوچھ دل کی گویا!
پروانہ ہی شمعِ راہ کے ساتھ

(۳۵۸)

مجنوں! نہ اپنے آپکو بیگانہ وار دیکھ — لیلیٰ کی آنکھ بنکے جنوں کی بہار دیکھ
اہلِ نظر اگر ہی تو کچھ امتیاز کر — صرف آنکھ ہی تو صورتِ لیل و نہار دیکھ
دِل کی ہو آنکھ بند تو بیکار دیکھنا — دنیا کی سمت چشمِ تماشا ہزار دیکھ

۳۵۹

جہاں کھلتی نہیں زباں دل کی — بات بن جاتی کچھ وہاں دل کی
کون تھا؟ ایسا کچھ ہوا معلوم — کھل گئیں جیسے کھڑکیاں دل کی
مختصر کیجیئے تو اک آنسو — ہے بڑی ورنہ داستاں دِل کی
انتہائے عروجِ شوق نہ پوچھ — پہلی سیڑھی ہے لامکاں دِل کی
اور پردہ نہیں کوئی گویا
بے حسی ہی ہے درمیاں دِل کی

(۳۶۰)

فریاد و خامشی دلِ دیوانہ وار کی — یہ اختیار کی ہے نہ وہ اختیار کی
تصویر سامنے ہو تصور میں یار کی — دیکھا کریں قریب سے راہ انتظار کی
چاروں طرف خیال کی دنیا لئے ہوئے — نکلی ہے کس حجاب سے تصویر یار کی
واقف ہیں آدمی سے دو عالم کی منزلیں
ہر جگہ یادگار ہے مشتِ غبار کی

(۳۶۱)

سامنے کوثر و تسنیم کرم ہے ساقی! — تیرے نظاروں میں فردوس و ارم ہے ساقی
یوں تو قدموں سے ترے سر نہ اُٹھاؤں گا کبھی — مجھکو ان تیرے ہی قدموں کی قسم ہے ساقی
ذرّۂ خاکِ قدم پر بھی عنایت کی نظر — مجھکو تجھسے بڑی اُمید کرم ہے ساقی
دِل شکستہ کو تری چشم کرم حاصلِ خلق — کس کو مطلوب یہاں ساغرِ جم ہے ساقی

جسکے پرتو سے بنیں خاک کے ذرّے خورشید — وہ سرِ راہ ترا نقشِ قدم ہے ساقی
مہر و مہ کرتے ہیں تیرے درِ اقدس کا طواف — سرِ افلاک ترے سامنے خم ہے ساقی

حسرت و درد سے لبریز، دلِ گویا ہے
ذرّۂ خاک کہ با دیدۂ نم ہے ساقی

(۳۶۲)
ہے وجہ عرش کے تاروں کے جگمگانے کی — نشانیاں ہیں یہ آنکھیں کہیں بچھانے کی
ہر نگاہ ہزاروں سلام، لاکھوں پیام — جہاں سے دیکھوں جھلک اُن کے آستانے کی
ہو اک طوافِ تجلّی میں محوِ پروانہ — ہو شمع سامنے جب آپکے آستانے کی

ستارہ، ذرّۂ ناچیز کا بھی چمکا دے
الٰہی! خاک ہو دل بھی اُس آستانے کی

(۳۶۳)
جنوں کی راہ میں پھر کس لئے ہنستے ہیں دیوانے — اگر دیوانگی حدِّ مراحل ہو نہیں سکتی
کرے جبتک نہ طے خود اضطرابِ شوق کا رستا — کوئی بھی موج ہو، مطلوبِ ساحل ہو نہیں سکتی
زمیں پر بیٹھکر دیوانے سو کھینچا کریں نقشے — لکیروں سے نمایاں شکلِ منزل ہو نہیں سکتی

(۳۶۴)
نور و خورشید میں جو نسبت ہے — وہی صورت ہے موج و ساحل کی
وہی آغاز ہے وہی انجام — جستجو ہو جہاں سے منزل کی
دائرہ زیست کا ہے پُر معنیٰ — تھی ضرورت تعیّنِ دل کی

ڈوبنے والے پھر اُبھرتے ہیں
ڈوب کر حسرتوں میں ساحل کی

(۳۶۵)

پردے میں جب وہی مری دنیا کے رہ گئے
معنیٰ بدل کے حرفِ تمنا کے رہ گئے

سجدوں میں جب کسی کی جھلک پا کے رہ گئے
آنسو زمیں کو اور بھی چھلکا کے رہ گئے

آنسو کہ اپنے سامنے آ آ کے رہ گئے
خود اپنے اعتبار سے شرما کے رہ گئے

تسلیم ہی تلاطمِ امواج کا وجود
پردے میں رازِ ساحل و دریا کے رہ گئے

آنسو پہنچ سکے نہ جو اُس بزمِ راز تک
بنکر ستارے صبحِ تمنا کے رہ گئے

منزل کے ہر مقام میں منزل سے دور تھا
راہی کے اپنے پاؤں جہاں جا کے، رہ گئے

باقی نہ جب دلوں میں رہیں خود فریبیاں
قصّے ہی راہِ امین و سینا کے رہ گئے

گم گم سے اشک ہیں سرِ مژگاں الٰہی کیوں
کچھ کھو کے رہ گئے ہیں کہ کچھ پا کے رہ گئے

خود تشنگی کا ظرف انھیں آنسوؤں سے پوچھ
دریا میں رہ کے پیاسے جو دریا کے رہ گئے

ہلچل پڑی ہوئی ہی رہِ انتظار میں
دم جا کے رہ گئے ہیں تو دل آ کے رہ گئے

ذرّوں سے پھوٹ نکلیں شعاعیں ہزار ہا
جلوے زمیں پہ ان کے کفِ پا کے رہ گئے

تھی نامۂ نگاہ پہ ثبت آنسوؤں کی مہر
اپنی جگہ ستارے نظر آ کے رہ گئے

منزل نہ پوچھ دل کی، وہ آغازِ راہ ہے
جبریل جس مقام سے تھرّا کے، رہ گئے

دل کے لہو کی آنکھ میں کوئی سند نہیں — غم، خواب تو نہیں کہ نظر آ کے رہ گئے

کچھ آنسوؤں میں ہیں ابھی طوفاں کے نشاں — جو ساحلِ نگاہ سے ٹکرا کے رہ گئے

رکتا نہیں ہے رو کے تلاطم، حیات کا — کیا درد بھی تھے کھیل جو تڑپا کے رہ گئے

ہر جگہ بالیقین جب اُس انجمن میں ہیں — دنیا میں احتمال ہی دنیا کے رہ گئے

منزل نظر میں پا کے کسی آفتاب کا — آنکھوں میں آ کے تارے ثریا کے رہ گئے

کہنا بھی جس فسانے کا گویا محال تھا
آنسو بیک نظر اُسے دہرا کے رہ گئے

(۳۶۵)

جہاں سے جان دینے میں خوشی محسوس ہوتی ہے — وہیں سے روح میں بالیدگی محسوس ہوتی ہے

نظاروں کی جگہ نظریں لیا کرتی ہیں عالم میں — نظر ملتے ہی اک دنیا نئی محسوس ہوتی ہے

کھٹکتی ہے جہاں اپنی نظر تک اپنی آنکھوں میں — وہاں بیگانگی احساس کی محسوس ہوتی ہے

جہاں شعلوں میں کرتے ہیں مسلسل رقص پروانے — وہاں چاروں طرف جلوہ گری محسوس ہوتی ہے

نظر سے دیکھتا ہوں اُس کی جب دل کے مرقع کو — تو ہر تصویرِ غم ہنستی ہوئی محسوس ہوتی ہے

نکل آتے ہیں اکثر شام ہی سے صبح کے تارے — ہر اک شامِ غم میں صبح سی محسوس ہوتی ہے

نسیمِ شوق کے جھونکے چلے آتے ہیں سینے میں — کسی کی راہ جنت سے ملی محسوس ہوتی ہے

تصور ہی ترا ٹھہرا تو کیا ماضی و مستقبل — ہمیں ہر وقت دنیا حال کی محسوس ہوتی ہے

ہی اُس محفل میں یکساں آپ بیتی اور جگ بیتی — جہاں ہر داستاں گذری ہوئی محسوس ہوتی ہی
کھلی جاتی ہیں کلیاں دل کی کس کے مسکرانے سے — ستارہ صبح کا اِک اِک کلی محسوس ہوتی ہی
نظر ہنگامِ نظارہ گذرتی ہی جب اشکوں سے — مسلسل ایک موجِ نور سی محسوس ہوتی ہی

جہاں سے ملتے ہیں اُسکے شہیدوں کے نشاں گویاؔ
وہاں سے زندگی ہی زندگی محسوس ہوتی ہی

۳۶۵ / ۲

دردہی درد تو دوا کیا ہی — ابتدا دیکھ، انتہا کیا ہی
ماہ ویرویں کا مدعا کیا ہی — سرِ مژگاں یہ فیصلہ ما کیا ہی
قدمِ شوق اور آگے بڑھا — کسی منزل میں ڈھونڈھنا کیا ہی
غیر دشمن ہو تو شکایت بھی — خود نہ اپنا ہوں تو گلہ کیا ہی
جب ہیں مقصود خود نہیں اپنا — پھر مرا اپنا مدعا کیا ہی
تو جہاں سے ہو آپ بیخودِ شوق — اور اُس راہ کا پتا کیا ہی
تیرے در کا جہاں خیال آیا — منزلِ سجدہ گدا کیا ہی
دل سے اِک آہ کھینچ لینے دو — پھر بتاؤں گا ماسوی کیا ہی

ہی کرم پہ ہی منحصر گویاؔ
ورنہ سائل کی التجا کیا ہی

(۳۶۶)

ہر آنسو شامِ غم کا شمعِ منزل ہوتا جاتا ہے / ستاروں سے نمایاں ماہِ کامل ہوتا جاتا ہے

مرا ذوقِ نظر گریہ کا حاصل ہوتا جاتا ہے / اِدھر اشک آتا جاتا ہے اُدھر دل ہوتا جاتا ہے

سکونِ دل نظر آنے لگا ہے اضطرابوں میں / تلاطم موج کا ہمرنگِ ساحل ہوتا جاتا ہے

تجلّی سی کوئی محسوس ہوتی ہے سرِ مژگاں / سحر کا ہر ستارہ رہبرِ دل ہوتا جاتا ہے

یہ کس کی جستجو میں مائلِ پرواز ہیں آنسو / کہ وا خود پردۂ مژگانِ حائل ہوتا جاتا ہے

بہر لحظہ ترقی کر رہا ہے دائرہ دل کا / نمایاں موج کے پہلو سے ساحل ہوتا جاتا ہے

نگاہیں لے رہی ہیں ہر قدم پر کچھ اثر گویا
مکمل قافلہ منزل بہ منزل ہوتا جاتا ہے

(۳۶۷)

ہے سامنے ہی دل کا سفینہ کہیں جیسے / سجدہ وہی ہے عرش کا زینہ کہیں جیسے

تصویر میں کسی کی ہے شیشہ جڑا ہوا / مژگاں میں ہے وہ اشک نگینہ کہیں جیسے

ساحل کی سمت خود ہی بہے جا رہے ہیں اشک / خشکی ہی میں رواں ہے سفینہ کہیں جیسے

اُن کے کرم سے کھل گئی ذرّوں کے دل کی آنکھ / گردِ قدم ہے، دیدۂ بینا کہیں جیسے

یہ بھی نہ ہو تو پھر ہے غریبوں کے پاس کیا / داغِ جگر ہے، دل کا خزینہ کہیں جیسے

ہر ذرّہ رہگذر کا جہاں منزلِ نظر / ہے وہ دیارِ دوست مدینہ کہیں جیسے

گویا ہے ذرّے ذرّے میں خورشید کی کرن / اِسرار کا خزینہ ہے، سینہ کہیں جیسے

۳۶۷

محوِ نقش و نگار کیا جانے — غیرِ رازِ بہار کیا جانے
متبسّم ہی کون غنچوں میں — پھول سے پوچھ خار کیا جانے
فاصلہ جیب اور گریباں کا — دامنِ تار تار کیا جانے
کیا بتائے کوئی یہاں کیا ہے — اِک غریب الدّیار کیا جانے
تیری گلیاں ہیں منزلیں دل کی — اور مشتِ غبار کیا جانے
تمھیں دن رات ہو نگاہوں میں — کوئی لیل و نہار کیا جانے

وقت ہر کام کا مگر گویاؔ
عالمِ انتظار کیا جانے

(۳۶۸)

قربانی ہزار دل و جاں کئے ہوئے — دل ہیں کسی پر آپ کو قرباں کئے ہوئے
دل کو مثالِ چاکِ گریباں کئے ہوئے — اہلِ جنوں ہیں وا درِ عرفاں کئے ہوئے
ہم اپنے آپکو یہ لئے جاتے ہیں کدھر — بیگانۂ خیالِ دل و جاں کئے ہوئے
اُبھریں تو خود بخود ہی اُبھرتے ہیں دل کے داغ — ہوتے نہیں نمایاں، نمایاں کئے ہوئے
ہوتے نہیں ہیں دردِ محبت میں اہتمام — آتے ہیں اشک بے سر و ساماں کئے ہوئے
آنسو بھی کررہے ہیں تمہارا ہی انتظار — اپنی نمائشیں سرِ مژگاں کئے ہوئے
گویاؔ بنا تو دل سے نمایاں جہاں ہی نما — یا ہی جہانِ دل کو نمایاں کئے ہوئے

۳۶۹

بلند ہیں آسماں سے بھی ہزاروں ذرّے زمینِ دل کے
کہ محرمِ رازِ بے نیازی، نیاز ہی ہیں جبینِ دل کے

یہ کس کے پرتو سے چشمِ تر میں چھلک اٹھے آبگینے دل کے
خدا ہی جانے میں کس کے دامن میں جڑ رہا ہوں نگینے دل کے

کوئی نہ جب رازِ دل کو پہونچا ڈھلک پڑا چشمِ تر سے آنسو
اگرچہ ناکامیوں کی حد تک معانی سوچے سبھی نے دل کے

نگاہ ہو دیکھو حجاب اٹھا کر، ہوا ہی سینے میں دھک سے دل کیوں
کواڑ آہستہ سے ہیں کھولے ضرور آ کر کسی نے دل کے

نظر نہ آیا کنارہ غم کا کوئی بھی ابنک تو آنسوؤں کو
رواں دواں ہیں تلاشِ ساحل میں مدتوں سے سفینے دل کے

نگاہِ تحقیر سے تو مشتِ غبار کو آسماں نہ ٹھکرا
کہ خاکساری کے پردے میں ہیں ہزاروں پنہاں دفینے دل کے

یہ پروانہ نہیں ہے فطرتِ پروانہ رقصاں ہے (۳۶۹/۱) حقیقت پر خود اپنی ہی دلِ دیوانہ قرباں ہے

نہ ہو جب تک کوئی ہنگامۂ دار و رسن برپا
ظہورِ فطرتِ منصور کا پھر کون امکاں ہے

الٰہی! اس جنونِ خام کی تو لاج رکھ لینا
جسے دشتِ جنوں میں بھی لحاظِ جیب و داماں ہے

یہ کس امید میں ہر شام سے آنسو چھلک اٹھے
یہ کس کے خیر مقدم میں سرِ مژگاں چراغاں ہے

تماشا ہی ابھی تک دل سمجھتے ہیں ستاروں میں
جمالِ راز سینوں میں ابھی تک بے نمایاں ہے

دلوں کے ساتھ ہی گویا گریباں چاک ہوتے ہیں
زمانے میں عجب شئے چاکِ و گریباں ہے

(۳۷۰)

جو لاکھوں مرتبہ معلوم ہو نا معلوم ہوتی ہے
حقیقت کا وہی موج آئنہ معلوم ہوتی ہے

نظر کے بعد کوئی دیکھنے والا نہیں رہتا
نظر کی ابتدا خود انتہا معلوم ہوتی ہے

جہاں سے کھینچتا ہے راہ کا ہر ذرہ خود دل کو　　وہاں سے قربِ منزل کی فضا معلوم ہوتی ہے
مخاطب محو ہوتا ہے اُسی راہِ تکلم میں　　جہاں ہر بات دل کا آئینہ معلوم ہوتی ہے
کبھی طوفان میں بھی سامنے ساحل نہیں آتا　　کبھی موجوں میں شکلِ ناخدا معلوم ہوتی ہے
تماشائے جہاں نزدیک سے کچھ بھی نہیں گویاؔ
یہ دنیا دور سے آراستہ معلوم ہوتی ہے

(۳۷۱)
خود تماشائی چراغِ سرِ منزل نہ بنے　　داغِ دل، داغ رہے، رونقِ محفل نہ بنے
بندگی میں جو تڑپ ہے، وہ خدائی میں کہاں　　موج ہی موج رہے، قلزم و ساحل نہ بنے
سخت مشکل ہے کسی کام کو آساں کہنا　　سہل اُس بات کو سمجھو جو مشکل نہ بنے
نہیں انساں جو خود ہی ذبح کرے اپنا ضمیر　　آدمی کچھ بھی بنے اپنا مقابل نہ بنے
بیچ کا پردہ اُٹھانا نہیں آساں گویاؔ
سعیِ نظارہ کہیں پردہ حائل نہ بنے

(۳۷۲)
جب اُن کے کرم کا اشکوں کی دنیا میں پھیرا ہوتا ہے　　تو صبح کے تارے کھلتے ہیں نظروں میں سویرا ہوتا ہے
بجلی کی چمک بھی ہوتی ہے گھنگھور گھٹا کے پردے میں　　وہ پردہ اُٹھا دیتے ہیں جب دنیا میں اندھیرا ہوتا ہے
بے پردہ جہاں ہوں وہ ہر سو اُس عالم میں کیا میں اور تو　　کر کام تو اپنا اے دنیا کیا میرا تیرا ہوتا ہے
تشریف وہ خود جب لاتے ہیں اور اپنا کرم فرماتے ہیں　　تو دل کے چمن کے ہر ذرے میں اُن کا ڈیرا ہوتا ہے

جب آپ میں اُنکو پاتا ہوں جب آپ میں گم ہوجاتا ہوں
تو راہ و منزل میں افسانہ گویا میرا ہوتا ہی

جب خزاں کے دور سے گھبرا گئے (۳۷۱/۲) پھول خود شاخوں سے باہر آ گئے
چاند نکلا، سیکڑوں تارے کھِلے پردہ اُٹھا، دِل ہزاروں آ گئے
عشق کی کچھ اور ہی معراج ہی آسماں تک دِل گئے تو کیا گئے
اِک نگاہِ لطف پر موقوف ہی نقطۂ آغازِ دل ہم پا گئے
کس لیے گویا کوئی مایوس ہو
جب وہ خود لا تقنطو فرما گئے

(۳۷۲)

دید دل میں پرتوِ توحید ہی دِل نہیں ہی اور لطفِ دید ہی
کائنات افسانۂ تمہید ہی بعد اِس تمہید کے توحید ہی
رائیگاں جاتا نہیں کوئی عمل حال استقبال کی تمہید ہی
دیکھلیں قربان ہو کر خود نجوم ہر طرف خورشید ہی خورشید ہی
جس قدر اُمّید ہو گویا بلند
آئنۂ ایمان کا اُمّید ہی

(۳۷۳)

کھڑکی کھلی ہی صبح کا تارا گواہ ہی
آنکھوں کے سامنے کوئی شمعِ نگاہ ہی
دل کی طرف نظر ہی کبھی آنکھ کی طرف
دونوں کے درمیاں سے نظاروں کی راہ ہی
گویا ستارۂ سحرِ شرگاں ہیں موجزن
ناقابلِ اشارہ تجلّیٔ ماہ ہی

(۳۷۴)

جب بہار آئی بہت دل آ گئے
پھول شاخوں کے مقابل آ گئے
راہ تھی پُر پیچ شاخوں کی مگر
شوق میں گل تا بمنزل آ گئے
برق تو چمکی تھی ای کون و مکاں
یہ کہو کچھ دل مقابل آ گئے

(۳۷۵)

ہیں صبح سے کچھ اور تموّج جمال کے
جھونکے سے آ رہے ہیں نسیمِ شمال کے
آئینے کو بناتے ہیں سو بار توڑ کر
درجے بڑھائے جاتے ہیں قربِ جمال کے
ای مہر و ماہ تھوڑی سی نسبت ہمیں بھی ہی
سیارے اور بھی ہیں فضائے جمال کے

(۳۷۶)

تو وہاں پہچان لینا اے نگاہِ دل مجھے
آپ اپنا ہو جہاں پہچاننا مشکل مجھے
بے نیازِ رنگ و بو کر دینا ساقی ہی سے پوچھ
دیدیا صبحِ چمن ہی سے بنا کر دل مجھے
پھر سحر کو منظرِ ہستی بہ عنوانِ جدید
اِک ستارہ سا نظر آیا مثالِ دل مجھے

(۳۷۷)

عالم تمام معرکۂ کارزارِ شوق
دیوانے تنگ ہیں دست و گریباں بہار سے
پردہ ہجومِ شوق کا اشکوں نے رکھ لیا
آنسو رہے دوچار نگارہ دوچار سے
اشکوں کا کام عرضِ تمنا نہیں مگر
گویا ہیں بزمِ شوق میں بے اختیار سے

(۳۷۸)

کون کہتا ہے کہ پیغام دیا جاتا ہے
عشق سے عشق کا پیغام لیا جاتا ہے
ظرف پروانوں کو بخشا ہی گیا ہے ورنہ
کس سے آغوش میں شعلوں کو لیا جاتا ہے
عالمِ شوق میں گویا ہیں جنوں کی قسمیں
کسی اُمید میں دامن بھی سیا جاتا ہے

(۳۷۸)

اہلِ جنوں کہ شام و سحر دیکھتے رہے
کیا خواب تھا کہ آٹھ پہر دیکھتے رہے
حدِ تعینات سے انساں گذر گیا
حیرت سے منہ ہی شمس و قمر دیکھتے رہے
محوِ خرام تھا کوئی تاروں کی چھاؤں میں
ہم آنسوؤں میں عکسِ نظر دیکھتے رہے

(۳۷۹)

ساقی نے جب اُٹھائی نظر رونما ہوئے
ہستی دلوں کی کیا ہے! نظر کا سوال ہے
ممنونِ التفات ہیں آئینے کے نقوش
اِک اِک مثال، جلوہ گہِ بے مثال ہے
ذوقِ لطیف چاہئے عرفان کے لئے
کلیوں کا مسکرانا بھی شرحِ جمال ہے

(۳۸۰)

نظر کے ساتھ وہیں ہم تو آرزو کرتے — نظر کے بعد جہاں اپنی جستجو کرتے
ستارے بن کے چمک جاتے آسمانوں پہ — زمیں کے ذرّے اگر اپنی آبرو کرتے

خموش رہتے جو تصویر کی طرح دو دِل
بہت لطیف اشاروں میں گفتگو کرتے

(۳۸۱)

پہلے تو دل دیوانے ہوے، پھر دیوانے پروانے ہوئے — جب صبح ہوئی اُس محفل میں تو پروانے افسانے ہوئے
پہچان رہے تھے خود ہم کو، وہ لوگ تھے جو پہچانے ہوئے — کچھ اور ہی دنیا آئی نظر جب آپ سے ہم بیگانے ہوئے

کیا دنیا ہم سے پوچھیگی، ہم دنیا سے کیا پوچھیں گے
کیا دیکھ رہے تھے دیوانے، کیا دیکھ کے ہم دیوانے ہوئے

(۳۸۲)

منحصر ہی کس تخیّل پر نظامِ کائنات — کس گماں پر اپنی ہستی کا گماں کرتے رہے
وائے نادانی سمجھ کر دید کو خود اپنی دید — آپ ہم اپنی نظر کا امتحاں کرتے رہے

گفتگو تو راز کی گویا بہت دشوار تھی
ہاں مگر اشکوں کو صرفِ داستاں کرتے رہے

(۳۸۳)

دل وہ قطرہ ہی جو اُبھرے تو سمندر نکلے — اور ڈوبے تو حدِ فہم سے باہر نکلے
پورا اُٹھا بھی نہ تھا روئے تجلّی سے نقاب — طالبِ دید ہزاروں مہ و اختر نکلے
جب اُٹھا روزِ جزا بیچ سے پردہ گویا — لیکے ہم دل ہی کی دنیا سرِ محشر نکلے

(۳۸۴)

ایک اور بے نقاب ہے آنکھوں کے سامنے — ایک اور آفتاب ہے آنکھوں کے سامنے
ایمان لا چکا ہوں جمالِ حضور پر — اللہ کی کتاب ہے آنکھوں کے سامنے
چھٹکی ہوئی ہے دل میں کوئی اور چاندنی
اک اور ماہتاب ہے آنکھوں کے سامنے

(۳۸۵)

صورتِ دید باندازِ نظر ہوتی ہے — یعنی ہر شب کی جداگانہ سحر ہوتی ہے
شعلے ہو جاتے ہیں جب دل کے بہت ہی اونچے — تو کہیں پیدا ان آنکھوں میں نظر ہوتی ہے
نارِ نمرود کو فردوس بنانے والی
مردِ مومن کی حقیقت میں نظر ہوتی ہے

(۳۸۶)

حسنِ معنیٰ کی بہر صورت نئی تفسیر ہے — آئینے میں آئینہ، تصویر میں تصویر ہے
جلوۂ واحد کا ہے آئینہ گلزارِ جہاں — رونما ہر رنگِ گل میں، ایک ہی تنویر ہے

(۳۸۶/۱)

چھلکتا جام تھیں لبریزِ شوق آنکھیں تھیں — ذرا سی جنبشِ مژگاں میں اشک بہ نکلی
وہ راز جن کو چھپاتے ہیں میکدے والے — ہوئے جو آپ سے باہر تو اشک کہہ نکلی

صدگہر

(سو متفرق اشعار)

(۳۸۷)

جتنا پردہ اُٹھا، اُتنے ہی بڑھے اور حجاب — حسنِ تشریح کا اپنی، متحمل نہوا

یہ طوفان وتلاطم بھی محبت کے تقاضے ہیں — کہ دستِ شوق میں ہر موج کے دامن ہی ساحل کا

کام برقِ سوز سے لے تو کوئی — دائرہ بڑھ سکتا ہی آواز کا

رنگِ تبسم، حُسنِ تکلم — کام نہیں یہ آب و گِل کا

ہر بام و در کے آگے سایہ کا سر جھکانا — یہ بندگی نہیں ہی، دھوکا ہی بندگی کا

زینتیں ہیں یہ تعارف کے لیے — ورنہ حاصل چمن آرائی کا

اِسی کو ساغر و مینا سمجھ لے — یہی ہے دَور تو شام و سحر کیا

سوالِ راہ نہ کر دل کی راہیں لیتا جا — ای نامہ بر مرے، میری نگاہیں لیتا جا

ہوگئی معلوم اُن کو دیکھ کر — کائناتِ رنگ و بو کی انتہا

ہر قدم پہ احتمالِ جلوۂ منزل ہوا — بارہا راہِ طلب میں امتحانِ دل ہوا

جو ہوش سجدے کا آیا تو بیخودی چھائی — ملی جبیں تو کوئی آستاں نہیں مِلتا

نظر میں جب نہ فرقِ عالم و معلوم ہوتا ہے
تو ہر منظر جہاں کا کس قدر معصوم ہوتا تھا

نقش، نقاش کے پر تو سے پُر انوار ہوا
عکسِ خورشید سے آئینہ نمودار ہوا

پھر ایک بار کہتے ہیں جی مانتا نہیں
ہائے وہ تذکرہ جو کئی بار ہو گیا

غنچوں کی چٹک، خندۂ گل، نالۂ بلبل
چاروں طرف اِک حسن کا سیلاب اُٹھا تھا

یا بے نیاز زِ عالمِ مشتِ غبار! ہو جا
یا رازدارِ دورِ لیل و نہار ہو جا

صبح کا تارا سرِ مژگاں نہیں
رو نما ہے دِل، سرِ بامِ حیات

اہلِ دل کرتے ہیں منزل کی تلاش
اور منزل کرتی ہے دل کی تلاش

خلق کو ہے کس سے ملنے کی خوشی
کس لئے ہے حشر کا یہ اجتماع

آنسوؤں نے بتا دیا گویا
راستا ہو چلا تھا نا معلوم

کسی کو دیکھ کے دل آنسوؤں کو بھول گیا
نظر میں چاند ہو، تاروں کا کچھ شمار نہیں

آجا کبھی تو سامنے اے محشرِ جمال
کب تک ترے خیال کو سجدے کیا کریں

اُٹھا ہوا ہے حجابِ نگاہِ کیف نواز
کھلا ہوا ہے درِ میکدہ بہاروں میں

وہ دل میں نظر آیا جب دل نہ رہا دل میں
پایا تو بآسانی، لیکن بڑی مشکل میں

کسی کو ایک سجدے میں جہاں سے ماوریٰ پاکر
"رہا ہے وجد کے عالم میں سنگِ آستاں برسوں"

میخانہ کثرت میں یہ فرق ضروری ہے
ساغر اُسے کہتے ہیں، صہبا اسے کہتے ہیں

یہ بے سبب تو نہیں ہیں تغیراتِ جہاں
پسِ حجاب کوئی ہے اشارے شاہد ہیں

آپس میں اس قدر تو مل جائیں ساری شاخیں
توڑے جو کوئی پتی ہل جائیں ساری شاخیں

پروردۂ انفاسِ محبت یہ چمن تھا
راس آئیں کبھی دل کو نہ دنیا کی ہوائیں

ہے دور تک سرِ مژگاں رہِ مہ و انجم
نگاہیں کہتی ہیں خلوت میں انجمن اسکو

قریب ہوتی ہے منزل یقینِ کامل سے
کسی کو اپنے پہونچنے کا اعتبار تو ہو

وہ نامہ جس کا ہو عنوان، صبح کا تارہ
کسی کی آنکھ کا آنسو کسی کا نظّارہ

عجیب ربط ہے آنسو کو اِک نظر کے ساتھ
شعاعِ حسن ہے خود مسلک گہر کے ساتھ

زندہ حقیقتوں نے کھولی ہے آنکھ تجھ میں
کر خواب سے نہ گویا تعبیر زندگی کی

یہ کہہ رہی تھی کوئی موج اپنے دریا سے
چھپاؤں تجھ کو نہ دیکھے نظر زمانے کی

وقت محدود ہے اور راہِ طلب نامحدود
شوقِ منزل ہے تو رفتار بڑھانا ہوگی

اللہ شرحِ حُسن بھی کتنی عجیب ہے
کچھ بھی نہ کہہ سکی، تو کلی مسکرا گئی

وہاں پہچانتے ہیں آپکو اہلِ نظر گویا
جہاں خود اپنی صورت آپ پہچانی نہیں جاتی

جلنا نہیں آتا جو تجھے شمع صفت
پنہاں ہی نہ رکھ سوزشِ پنہاں کو ابھی

سخن شناس اگر دل کی آرزو ہوتی
تو خامشی بھی حقیقت میں گفتگو ہوتی

یہ وحدت ہے کہ ہے ہر پھول یکتا اپنی صورت میں
یہ کثرت ہی نہیں، دو پتیاں بھی ایک صورت کی

چاہتا ہی کوئی دروازہ نیا کھل جائے   چاک کرتا نہیں بے وجہ گریباں کوئی

جبینِ شوق کرے گی کدھر کدھر سجدہ   کہ چاروں سمت سے پردہ اُٹھا رہا ہی کوئی

تکبیر کی آواز وہاں آتی ہی برسوں   دنیا میں جہاں دل سے کوئی ہاتھ اُٹھالے

دِل، غریقِ شوق، تشنۂ دیدار، چشمِ تر   ظرفِ غریق، بحرِ محبت، نہ پوچھئے

ہمّت بلند ہو، حدِ امکاں نہ پوچھئے   ہوتے ہیں غیب سے سروساماں نہ پوچھئے

تم اگر پوچھو تو دیوانہ ہی دیوانہ ہے   اور نہ پوچھو تو پھر افسانہ ہی افسانہ ہی

وہ حسنِ بے نقاب کہاں اور کہاں حجاب   خودساختہ فریب ہے، پردہ کہیں جسے

بہت بلند خموشی ہی اہلِ حیرت کی   نظر نہ آئے جہاں سے زمانہ، کیا کہئے

عشق جب حدِ تعین سے گذر جاتا ہی   بے تعیّن ہمیں کچھ اور نظر آتا ہے

کوئی مصروف ہی اک حسن کی دنیا بسانے میں   حجاب اُٹھا ہوا ہی سامنے آئینہ رکھا ہی

کہہ سکے کچھ بھی اشاروں سے نہ اربابِ نظر   بے زبانی ہی سے افسانے سنائے تیرے

بیخودی، بیخودی نہیں گویا   بے خیالی کسی خیال میں ہے

ذرّوں میں جب دکھائی دیا عکسِ آفتاب   معنی سمجھ میں آگئے اپنے غبار کے

وہ تجلّی جو مہر و ماہ میں ہی   جانتا ہوں مری نگاہ میں ہی

منتظر شام سے جب صبح کا ہوتا ہی کوئی   رات بھر خواب نظر آتے ہیں گویا دن کے

بہر صورت مصوّر رونما ہے
تصوّر اس سے آگے وا ہمہ ہے

برق کو دیکھ کر ایک جلوہ گری یاد آئی
دیر لگتی ہی نہیں ظاہر و پنہاں ہوتے

کام جب دل سے لیا جذبۂ سودائی نے
در و دیوار سے پیدا ہوئے سو آئینے

خس و خاشاک نہیں ہے کہ اڑائے کوئی
آدمی خاک نہیں ہے جو پریشاں ہو جائے

اجتماعِ عناصرِ متضاد
کشمکش ہے کہ زندگانی ہے؟

زندگی جلوۂ معانی ہے
باقی افسانہ ہے، کہانی ہے

تیری تصویر کو سینے سے لگا رکھا ہے
ورنہ مجھ پردۂ تصویر میں کیا رکھا ہے

درد کچھ اور ہیں تکمیلِ محبت کیلئے
جو اٹھا رکھے ہیں خود دل نے قیامت کیلئے

سمجھنے کو یہ بات ہی کون کم ہے
کہ ذرّوں کے لب پر صدائے منم ہے

عالم آئینہ ہے نہ پردہ ہے
جس کی جیسی نظر ہو، ویسا ہے

سب سے بہتر سکوت ہے گویا
بات اتنی سمجھ میں آئی ہے

حریمِ ناز کے پردے تجھی کو حکمِ سجدہ ہے
کہ سایہ ہی مقامِ معرفت میں سجدہ کرتا ہے

آج پوچھے نہ کوئی ہم سے ہمارے معنی
اپنا احساس بھی گویا ہمیں شرماتا ہے

ہر دمی میں ڈھونڈھ نہ فطرت خلیل کی
انگاروں میں نظارۂ فردوس کام ہے

ہوا کرتے ہیں محفل میں ہزاروں ہی تماشائی
مگر اہلِ نظر ان میں فقط پروانہ ہوتا ہے

ساغرِ ہر گل مئے توحید کا پیمانہ ہے
مدہوش اڑتے ہیں کہ یہ گلزار یا میخانہ ہے

یہ ہی امید ترا آستاں وہ پا لیں گے
جو مہر و ماہ کو تیرے نقوشِ پا سمجھے

پروانہ نہ بن غیر کی تقلید میں گویا
خودسوز نہ جب تک تجھے پروانہ بنا دے

پوچھ اشکوں سے راہ کے معنے
اور کچھ ہیں نگاہ کے معنے

یہ انتظارِ ہلاکت عمل کی دنیا میں
کہ تیرے دل میں کوئی دوسرا جگر رکھ دے

سینوں میں جوانوں کے اگر دل ابھر آئے
طوفانوں کے پہلو میں سفینہ نظر آئے

کھلاتے ہیں جھونکے نسیمِ وطن کے
چمن ہی میں کھلتے ہیں غنچے چمن کے

شیرازہ ہو جس قافلۂ دل کا پریشاں
وہ گامزنِ مسلکِ توحید نہیں ہے

مقصود میں اپنے گم ہونا، مقصود کو اپنے ہی پانا
ہر جد و جہد کا اک گویا یہ ایک ہی حاصلِ واحد ہے

میں موجِ تمنا ہوں اور تو مرا ساحل ہے
دنیا مرے رستے میں تجھ تک مری منزل ہے!

مشکل ہیں آسماں میں جن کے شمار گویا
ہیں تھوڑے ایسے ستارے وہ ایک پیرہن کے

جنھیں وثوق تھا لطفِ نگاہِ ساقی پر
کبھی وہ بزم میں، محروم و تشنہ لب نہ رہے

بعض اوقات کسی اشک پہ امید کے ساتھ
دل کی ڈوبی ہوئی کشتی سی ابھر آتی ہے

سبق آموز ہے گویا یہ تمثیلِ محبت بھی
اِدھر تو شمع جلتی ہے، اُدھر پروانہ جلتا ہے

شعلۂ برق و موجِ نور اصل میں ایک ہیں مگر
سوزِ جگر کچھ اور ہے رنگِ تبسم اور ہے

خیالوں میں کبھی دل آپکو اس طرح پاتا ہے
کوئی دریا سمٹ کے جسطرح قطرے میں آتا ہے

دلِ دیوانہ ہے شرمندۂ افسانہ ہے
کہیں گلزار ہے دنیا میں نہ ویرانہ ہے

ہزاروں گلستاں کھِلاتی ہے گویا
نظر تک وہ موجِ جمال آتے آتے

پیامِ آنسوؤں نے ہیں بھیجے ہزاروں
رسائی اگر ہو مقدر سے آگے

لحاظِ اشک و دامن غیر ممکن
تبائے کیا گدائے در کہاں ہے

یہاں لا شئے خیالِ جامِ جم ہے
نظر کے آگے وہ بے حد کرم ہے

بڑا ہی اپنی قسمت کا دھنی ہے
گدائے در دو عالم سے غنی ہے

منگتا بھی اے نسیمِ کرم تیری راہ میں
بیٹھے ہوئے ہیں ہاتھوں میں دامن لیے ہوئے

شکستہ دلوں کو بڑے ہیں سہارے
ہیں دامن تمھارے، وسیلے ہمارے

ہوئے سرسبز اشکوں سے نظارے
ہری کھیتی ہے نہروں کے کنارے

ہے اُمید افزا یہ اُمید گویا
توقع ہے وابستہ اُن کے کرم سے

جہاں رکھو قدم تم وہ زمیں خود طور ہو جائے
یہ ممکن ہی نہیں دل کی نہ بستی دور ہو جائے

قطعہ

تجلّیوں کی کوئی حد نہیں اے ذرۂ دل!
ہر آفتاب میں ایک اور آفتاب بھی ہے
بہر جمال اُسے دیکھتا چلا جا تو
جو بے نقاب بھی ہے اور پسِ حجاب بھی ہے

قطعہ

اشک آنکھوں میں جب بھی بھر آئے　　سرِ ساحل ہی ہم نظر آئے
ہر دم سرد ہے نسیمِ سحر　　کوئے محبوب سے اگر آئے

فطرتِ پروانہ

تصویرِ انتظار، سرِ میکدہ ہوں میں (۳۸۲/۱) خود رفتگی میں آپ سے باہر کھڑا ہوں میں
ایک، اک قدم پہ آپکو خود ڈھونڈتا ہوں میں　　کس کاروانِ شوق کا یارب پتا ہوں میں
جب سوزِ دل نہ رہ سکا پردے میں خاک کے　　بن کر شرارِ طور کی جانب گیا ہوں میں
یارب کہیں کھلے نہ وہ داغِ برہنگی　　دامن سے آنسوؤں کے جسے ڈھانپتا ہوں میں
بیٹھا ہوں بیخودی میں بچھائے ہوئے نظر　　محوِ خرام آکے ترا راستا ہوں میں
اک سلسلہ ہے آمد و شد کا لگا ہوا　　ہر سانس میں رہینِ فنا و بقا ہوں میں
سایہ سہی، حجاب سہی، عکس ہی سہی　　پیدا کیا گیا ہوں کہ پیدا ہوا ہوں میں
اک موجِ بیقرارِ مسلسل ہے زندگی　　دریا نہیں، تلاطمِ دریا نما ہوں میں
مژگاں کے آئینوں سے ٹپکتی ہیں حیرتیں　　رَو میں عجب جمال کی ڈوبا ہوا ہوں میں
پہنچا نہ ایک عقدۂ ہستی بھی آپ کو　　آنسو بھی دل سے پوچھ رہا ہے کہ کیا ہوں میں
وجہِ قیامِ کون و مکاں ہے عبودیت　　سجدوں میں یعنی ارض و سما کی بنا ہوں میں
خود آنسوؤں سے اپنے زمیں پہ تمام رات　　افلاک کے چراغ جلاتا رہا ہوں میں

ہیں دیکھنے کے فرق شہود و وجود کے — حیراں ہوں اُس طرف تو اِدھر آئینہ ہوں میں
مژگاں ہیں اشک ہے رہ و منزل کے درمیاں — پردے کی طرح بیچ سے اُٹھا ہوا ہوں میں
صحنِ چمن میں ہے نظر اک آفتاب پر — اذکارِ رنگ و بو سے بہت ماورٰی ہوں میں
نقشِ جبیں ہے گوہرِ بالائے تاجِ سر — سلطاں نہیں گدائے درِ مصطفٰے ہوں میں

رکھتا ہوں اپنے سینے میں ٹوٹا ہوا سا دل
اپنے شکستہ ساز کی گویا صدا ہوں میں

طوافِ نور میں ہوں، فطرتِ پروانہ رکھتا ہوں (۳۵۷/۲) — میں اپنی شمع کے آغوش میں کاشانہ رکھتا ہوں
سرِ مژگاں نظر آتا ہے اکثر صبح کا تارہ — سحر کا شام سے روشن چراغِ خانہ رکھتا ہوں
خود اپنے آسماں کا چاند دل میں سوز ہے دل کا — نظر کے سامنے آئینۂ جانانہ رکھتا ہوں
ہیں میری رات کے نغمے ستارے آسمانوں کے — میں سوز و ساز سے معمور ہی ویرانہ رکھتا ہوں
خدا کا شکر، واقف ہوں جبیں سائی کی منزل سے — جبیں ہی میں نشاناتِ درِ جانانہ رکھتا ہوں
لگاؤں کیوں نہ آنکھوں سے نظر سے چوم کر آنسو — کہ اشکوں میں شبیہِ ساقیِ میخانہ رکھتا ہوں
ستارے عرش کے عنوان میری داستاں کے ہیں — میں اپنا چاند سورج بلند افسانہ رکھتا ہوں
جہاں رکھ دوں جبیں اپنی وہیں میخانہ پیدا ہو — میں سجدوں میں عجب اک کیفِ مستانہ رکھتا ہوں
غلامِ شاہِ بابِ علم ہوں کچھ غم نہیں گویاؔ — قدم اسرار کے رستوں میں بے باکانہ رکھتا ہوں

سمجھ!

۳۹۶/۳

کھیل آئینوں کا ای دیدۂ بینا نہ سمجھ — دل کے زخموں میں نظارے کو تماشا نہ سمجھ
جو نظر آئے نہ تجھے اُسے جلوہ نہ سمجھ — خلق میں کوئی مقام عرش سے اونچا نہ سمجھ
منزلِ قرب میں معراج ہوا کرتی ہے — جس میں پائے نہ بلندی اُسے سجدہ نہ سمجھ
انھیں اشکوں میں نہاں گوہر و الماس بھی ہیں — ہر نگینے ہی کو مصنوعی نگینہ نہ سمجھ
منھ سے ہر پھول کے سُن نغمۂ محبوب، مگر — ہر شجر کو، شجرِ وادیٔ سینا نہ سمجھ
متشکّل ہی بہر دور رہی موجِ بادہ — لالہ و گل کو فقط ساغر و مینا نہ سمجھ
اپنی آنکھوں سے اُٹھا اپنی نگاہوں کے حجاب — حسن بے پردہ کو ای دل پسِ پردہ نہ سمجھ
مثلِ طوفان کے اُٹھ اور بڑھے جا ای موج — سامنے اپنے کوئی وادی و صحرا نہ سمجھ
ہر جگہ ہوتے ہیں طوفان سرِ ساحل ہی — گریۂ شوق کو مایوسِ تمنا نہ سمجھ
مسکراتے ہیں ہر اک رنگ میں ذرّے دل کے — فرقِ زخمِ جگر و لالۂ صحرا نہ سمجھ
نے نوازِ ازلی ہی کی نواؤں میں ہو گم — ای نوا سازِ سخن! آپکو گویا نہ سمجھ

جسم اک لفظ ہی اور روح ہی معنیٰ گویا
کسی صورت میں جدا لفظ سے معنیٰ نہ سمجھ

مدارجِ محبت

سرِ آغاز موجِ نور، انواروں میں رہتی ہے ([illegible]) برائے تربیت دریا کے گہواروں میں رہتی ہے
محبت ابتداً، چاند اور تاروں میں رہتی ہے   تجلّی کی جھلکیوں اور خماروں میں رہتی ہے
مثالِ رنگ و بو پھولوں کے انباروں میں رہتی ہے   خود اپنے سبز باغوں اور گلزاروں میں رہتی ہے
دکھاتی ہے تماشائے جنونِ آرزو یہ بھی   کہ لیلیٰ قیس کے بے پردہ نظاروں میں رہتی ہے
حجاب اُٹھتا ہے کچھ، تو اور آتے ہیں نظر منظر   گلستاں چھوڑ کر، دل کے جگر پاروں میں رہتی ہے
جمالِ دوست پاتی ہے خود اپنے پیہم اشکوں میں   کنارے نہر کے، ساحل کی سرکاروں میں رہتی ہے
نظر آتی ہے محوِ سجدہ اکثر انتظاروں میں   جبینِ شوق کے خاموش اظہاروں میں رہتی ہے
مدارج قرب کے جب اور کرتے ہیں ترقی تو   شہادت کیلئے بے تاب تلواروں میں رہتی ہے
قریبِ منزلِ تکمیل آکر مثلِ پروانہ   خراماں شعلوں میں، مسرور انگاروں میں رہتی ہے
سفینہ نوح کا بنتی ہے گرداب و تلاطم میں   قریبِ ساحلِ بے پایاں منجدھاروں میں رہتی ہے
یہیں خود مسکراتی ہے شرار و برقِ عالم میں   جمالِ نور ہی میں محو سیاروں میں رہتی ہے
دکھانے کو تجلی عالمِ کثرت میں وحدت کی   جہاں کا پھول ہو کر خلق کے خاروں میں رہتی ہے

بیاں ممکن نہیں اُس منزلِ تکمیل کا گویا
جہاں اِک راز بن کر سب کے اسراروں میں رہتی ہے

دعائے گدا

(۳۸۸)

فکرِ گم گشتہ کو منزل کا پتا دے یا رب — قافلے والوں کو پھر راہ دکھا دے یا رب
کر لے مقبول دعا اپنے گدائے در کی — فروغِ اسلام کا آنکھوں سے دکھا دے یا رب

اُمّید قبول

(۳۸۹)

دعا میں حد سے بڑھا جب غمِ پذیرائی — خدا کا شکر، توقّع قبول کی پائی
نہیں بعید خدا کے کرم سے کچھ گویا — نقوشِ دل کو اُبھارے یہ خامہ فرسائی
نظر کے سامنے پھرنے لگے وہی منزل — سلف نے جسکی طلب ہی میں زندگی پائی
دِلوں کی بے حسی، بڑھکر ہو درد میں تبدیل — نہ سمجھیں خونِ جگر کو عبارت آرائی
یہاں کھِلاتی ہیں قربانیاں دلوں کی چمن — جہاں میں جب کبھی آئی نہیں بہار آئی
بہاریں اہلِ چمن ہی کی نفسی نفسی سے — خزاں کی شکل میں بنتی ہیں خود تماشائی

عجب نہیں کہ طلوعِ سحر دلوں سے کہے
اُٹھو اے مُردہ دِلو، صبحِ زندگی آئی

الحمد للہ رب العالمین، الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب جو تقریباً ۱۹۳۶ء سے معرضِ تکمیل و ترتیب میں تھی آج ۲۰ ستمبر ۱۹۴۳ء کو، یا ۸ سال کی بڑی جگر سوزیوں کے بعد مرتب و مکمل ہوئی خدائے پاک رحمۃ اللعالمین کے صدقے میں قبول فرمائے اور ہر فرد ملت کیلئے مفید بنائے آمین۔ پیلی بھیت ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۴۳ء ضامن حسین نقوی

(۳۹۰)

تاریخ اتمام و تکمیلِ طلوعِ سحر

رباعی

سینے میں تھا اک شرارۂ مشرقِ نو   تھا پیشِ نظر، نظارۂ مشرقِ نو
تاریخِ طلوعِ سحر آپ آئی نظر   جب دل نے کہا ستارۂ مشرقِ نو

۱۳۶۲

کتاب ملنے کے پتے:-

نظامی پریس بک ایجنسی بدایوں

کتابستان:- الہ آباد

حمیدیہ بک ڈپو پیلی بھیت

محمد احمد الدین ایف - آر - ایس - اے - لندن مالک نظامی پریس بدایوں نے چھاپا

اور

موصوف حسین برادرس پبلشرس محلہ شیر محمد پیلی بھیت نے

شائع کیا